ستمبر-اکتوبر ۲۰۱۷ء / ذوالحجہ - محرم ۳۹-۱۴۳۸ھ

"میں مسلمان ہوں،

اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں،

اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثے میں آئی ہیں، میں تیار نہیں کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں، اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم وفنون، اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں، بہ حیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے؛ لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں، جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے، اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی وہ اس راہ میں میری راہنمائی کرتی ہے، میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں "ہندوستانی ہوں" میں ہندوستان کی ایک اور ناقابلِ تقسیم "متحدہ قومیت کا ایک عنصر" ہوں، میں اس متحدہ قومیت کا ایک ایسا اہم عنصر ہوں، جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے، میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر عامل (Factor) ہوں، میں اپنے اس دعوے سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا"۔

(مولانا ابوالکلام آزاد، اکتوبر ۱۹۴۷ء میں جامع مسجد دہلی سے کیے گئے خطاب سے اقتباس)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یداللہ علی الجماعۃ

حق کا داعی اور مسلک سلف کا ترجمان

ماہنامہ

الجماعۃ

خصوصی شمارہ

ستمبر-اکتوبر ۲۰۱۷ء / ذوالحجہ-محرم ۳۹-۱۴۳۸ھ

بدل اشتراک......فی شمارہ: 15 روپے • سالانہ: 150 روپے

پتہ

دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی ۱۴-۱۵، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل بیسٹ بس ڈپو-ایل.بی.ایس مارگ، کرلا ویسٹ ممبئی-۷۰

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.

Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com

@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai

www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com

نگارشات

حلقۂ قرآن

صوم یوم عاشوراء کی فضیلت

محمد ایوب اثری

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ الخ﴾ (التوبہ:۳۶)

ترجمہ: مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ ہے اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت وادب کے ہیں یہی درست دین ہے تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

اور اسی چیز کی وضاحت نبی اکرم ﷺ نے حدیث کے ذریعہ فرمائی ہے کہ سال بارہ مہینوں کا ہے جن میں سے چار حرمت والے ہیں تین پے درپے ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم چوتھا رجب مضر، جو جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان ہے۔ (بخاری ومسلم)

قارئین کرام: دین دین اسلام کے اندر عبادتوں میں روزہ کو ایک خاص مقام ومرتبہ حاصل ہے اور شریعت میں اسے عفت وعصمت اور گناہوں کے کفارے کا ایک بہترین ذریعہ قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ مختلف مقاموں پر دیگر بہت سارے نفلی روزوں کو بھی مشروع قرار دیا گیا ہے انہیں نفلی روزوں میں عاشوراء کا بھی روزہ ہے اس روزہ کی مشروعیت نبی ﷺ کے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد ہوئی آپ ﷺ اس روزہ کو خود بھی رکھتے اور دوسروں کو بھی رکھنے کا حکم دیتے لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو مسلمانوں کو اختیار دے دیا گیا جس کا جی چاہے یہ روزہ رکھے جس کا نہ چاہے نہ رکھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود عاشوراء (دسویں محرم) کا روزہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیسا روزہ ہے؟ تو آپ ﷺ کو بتلایا گیا کہ یہ بڑا اچھا دن ہے آج ہی کے دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''فانا احق بموسیٰ منکم فصامه وامر بصیامه'' (بخاری) تو ان لوگوں سے زیادہ موسیٰ کے حق دار ہم ہیں تو آپ ﷺ نے روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ''مارأیت رسول ﷺ یتحری صیام یوم فضله علی غیره الاهذا الیوم یوم عاشوراء وهذا الشهر یعنی رمضان'' (بخاری ومسلم) میں نے نہیں دیکھا رسول ﷺ کو کہ آپ کسی دن کے روزے کی تلاش میں رہتے ہوں اور اسے دوسرے دنوں پر فضیلت

دیتے ہوں سوائے اس عاشوراء کے دن کے اور اس مہینے کے یعنی ماہ رمضان کے۔ اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اس عاشوراء کے روزے کو افضل الصیام قرار دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''افضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم وافضل الصلوٰة بعد الفريضة صلوة الليل'' (مسلم، ابوداؤد) رمضان کے بعد سب سے بہترین روزہ ماہ محرم کا روزہ ہے اور فرض نمازوں کے بعد سب سے بہترین نماز رات کی نماز (یعنی تہجد کی نماز ہے) ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے اس کے اجر وثواب کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''صيام يوم عاشوراء احتسب على الله ان يكفر السنة التى قبلها'' (مسلم، ابوداؤد، ترمذی) یوم عاشوراء کے روزے کے متعلق مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ گذشتہ سال کے (صغیرہ) گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

لیکن وفات سے کچھ دنوں پہلے آپ کے علم میں یہ بات آئی کہ یہود ونصاریٰ اس دن کی بڑی توقیر کرتے ہیں اور اس دن کو بطور عید کے مناتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت میں آئندہ سال نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھنے کی خواہش ظاہر کی لیکن ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آئندہ سال آنے سے پہلے ہی آپ کا انتقال ہوگیا۔ (مسلم) دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لئن بقيت الیٰ قابل لأصومن التاسع'' (مسلم، ابن ماجہ) اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں تاریخ کو روزہ رکھوں گا۔ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ اگر ہم عاشوراء کا روزہ رکھنا چاہتے ہیں تو دسویں تاریخ کے ساتھ نویں تاریخ کو بھی ضرور روزہ رکھیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی مخالفت میں نویں تاریخ کا روزہ رکھنے کی شدید خواہش ظاہر کی تھی لیکن اس تاریخ کا روزہ رکھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدر نہ بن سکا اور آئندہ سال محرم کے آنے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ (ان لله وانا اليه راجعون)

وضاحت : بعض حضرات دسویں تاریخ کے ساتھ نویں یا گیارہویں کو ملاکر دو دن روزہ رکھنا چاہتے ہیں اور دلیل کے طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''صوموا يوم عاشوراء وخالفوا اليهود وصوموا قبله يوما اوبعده يوما'' (مسند احمد، ابن خزیمہ) تم لوگ عاشوراء کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو اور اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد روزہ رکھو۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند میں ابن ابی لیلیٰ اور داؤد ابن علی منفرد ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ یہ محمد بن عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ ہیں اور بہت ہی زیادہ سوءحفظ کے شکار ہیں۔

لہٰذا اس حدیث کے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے دسویں محرم کے ساتھ گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنا صحیح نہیں ہے بلکہ عاشوراء کا یہ روزہ دسویں محرم کے ساتھ نویں تاریخ کو رکھا جائے۔ اس بنیاد پر آپ کی منشا بھی پوری ہوجائے گی اور یہود کی مخالفت بھی ہوجائے گی۔ اللہ ہمیں ان دونوں روزوں کو رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

❖ ❖ ❖

اداریہ

اہل حدیث مجاہدین آزادی

محمد مقیم فیضی

یہ ٹھیک ہے کہ اسلام میں دنوں اور سالوں کے منانے کی گنجائش نہیں ہے مگر جب لوگ ان دنوں کو تاریخی غلط فہمیاں پھیلانے اور حقائق کو مسخ کرنے کا ذریعہ بنالیں، سیاہ کو سپید اور سپید کو سیاہ بتانے لگیں۔ کارنامے انجام دینے والوں کو مجرموں کی صفوں میں کھڑا کرنے لگیں، اور کارناموں سے تہی دامن لوگوں کے سر کامیابیوں کا سہرا باندھنے لگیں تو بھی چپ سادھے بیٹھے رہنا کہاں کی دانشمندی ہے، اور یہاں اسلام کب حقائق کی نقاب کشائی سے روکتا ہے؟

پھر غیروں کی حقائق کشی اور تاریخ سازی کا رونا کیا روئیں، یہاں تو جو اپنوں میں ہمارے غیر ہیں ان کی کرم فرمائیاں کیا کم ہیں۔ ان کے سیکولر دانشوروں تک کا معاملہ یہ ہے کہ جب ان کے حلقے کے بزرگوں کا ذکر ہوتا ہے (تاریخی حقیقت کچھ بھی ہو)، ان کے کارنامے گنائے جاتے ہیں تو وہ خوب چہکتے رہتے ہیں، مگر جیسے ہی کسی اہل حدیث کا نام آیا ان کے مزاج کا اکثریتی پہلو فوراً سامنے آجاتا ہے، انہیں تنگ نظری اور تعصب تلاش کرنے کے لئے کسی خوردبین کی ضرورت نہیں پڑتی ہے، طرح طرح کی نصیحتیں اور مشورے شروع ہوجاتے ہیں، مگر اپنی مجلسوں میں انہیں اس طرح کا ایک بھی جملہ بولنے کی ضرورت کبھی نہیں محسوس ہوتی، ہمارا اپنی مجلسوں میں بھی اپنے بزرگوں کا ذکر کرنا، ان کے سچے اور حقیقی کارناموں کا بغیر کسی دیگر کی تجریح کے بیان کرنا بھی انہیں امت میں اختلاف کو ہوا دینے کا عمل لگنے لگتا ہے، اور ان کی مصلحانہ رگ حمیت پھڑ کنے لگتی ہے۔ جبکہ ان کے مفتیان کرام اور اجلہ مورخین حقیقت بیانی کے نام پر چاہے جتنی خوش فعلیاں کریں، مشق ناز کریں، نوازشیں فرمائیں انہیں سب کچھ نارمل نظر آتا ہے۔ تاریخ بیان کریں یا بنائیں انہیں کچھ فرق نہیں پڑتا، اس پر انہیں مرحبا اور آفریں کی صدائیں ہی سننے کو ملتی ہیں۔ ادھر اپنے دانشوری گزیدہ لڑکوں کا عالم یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ سیکولر و لبرل ہیں۔ اپنے علماء کی حقیقت بیانی میں خواہ وہ کتنی ہی مہذب و روادار ہو، اختلاف، تعصب، تنگ نظری، پسماندگی محسوس کرلینے کا حاسہ ان میں بہت تیز نظر آتا ہے اور ان کا یہ عمل انہیں اپنی وسعت قلبی، روشن خیالی، اور صلح کلی والے موقف کے لئے سراپا چیلنج نظر آنے لگتا ہے۔

دراصل اس مرعوبیت کا سبب اپنے متعلق حد سے بڑھی ہوئی غلط فہمی اور اظہار قابلیت کے باوجود حقائق سے ناواقفیت کے سوا کچھ نہیں ہے، نہ ان میں اسی بات کی فہم ہے کہ زمانہ کس قیامت کی چال چل رہا ہے اسی لئے وہ دوسرے کے بچھائے جال میں بہ آسانی پھنس جاتے ہیں اور جو کام انہیں خود کرنا چاہیے تھا اسے دوسروں کا کرنا بھی انہیں گوارا اور برداشت نہیں ہوتا۔

کم از کم دوسروں سے تو سبق لیجئے! جب کوئی مناسبت آتی

ہے ان کا عالم وغیر عالم طبقہ سب کا سب اپنی تاریخ اور کارنامے لئے تمام اخباروں، رسالوں اور میڈیا کے ذرائع میں اپنی حاضری پوری طرح درج کراتا ہے، مگر ہمارے افراد کا عالم یہ ہے کہ انہیں باہمی تنقیص اور دل کے پھپھولے پھوڑنے سے ہی فرصت نہیں ہوتی حد درجہ تعمیری صلاحیتیں بیشتر تخریب ہی میں صرف ہوتی نظر آتی ہیں۔ خود اپنے رسالوں اور پرچوں تک میں اپنے مجاہدین آزادی اور حریت کے سورماؤں کا ذکر نہیں ہوتا ہے، نئی نسل کو امام اسماعیل دہلوی سے نذیر حسین محدث دہلوی اوران کے تلامذہ ومتعلقین تک کوئی بھی آزادی کی تاریخ میں قابل ذکر نظر نہیں آتا ہے۔ غیروں نے جتنا اپنے بزرگوں کا ذکر کیا ہم اسی قدر خاموش رہے، حالانکہ اصول بقا کا یہ رنگ ہم دیکھتے آرہے ہیں کہ جو بولنا بند کردیتا ہے وہ فراموش کردیا جاتا ہے۔ اگر سو آدمی ایک ایک بزرگ کو لے لیں تو بھی ہر سال بہت سے بزرگوں کا نام اور کارنامہ لوگوں کو معلوم ہوجائے گا، نیز ان کی ملی خدمات کے پہلو رنگارنگ ہیں، ان کی تاریخ محض کسی فوج یا حکمراں کی تاریخ نہیں ہے بلکہ اس میں دعوت، تنظیم، تعلیم وتربیت، ایثاروقربانی اور بہت سی خوبیوں کی داستانیں موجود ہیں، ان کے متعلق دوستوں اور دشمنوں سب کے تاثرات محفوظ ہیں، اورآنے والی نسلوں کے لئے ان میں عبرت ونصیحت کے بہت سے پہلو ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جولوگ تاریخ حریت میں وقتِ عمل گوشہ عافیت میں بیٹھے ہوئے تھے آج کثرت ذکر سے وہی اصل سورما اور ہیرو بن بیٹھے ہیں۔ اور جنھوں نے اپنی جان مال، گھر بار اور سماجی ساکھ سب کچھ قربان کر کے رسم تمنا کی بناڈالی ان کا فسانے میں کہیں نام نہیں ہے۔ اس لئے تذکروں کی اہمیت کو نظرانداز نہ کیا جائے اوراس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں محسوس اور ادا کی جائیں۔

وہابیوں کی جہادی تحریک کا گہرا مطالعہ اوراس کے مختلف وقائع کو اسلام کے تربیتی اصولوں کی روشنی میں پرکھنا بہت ضروری ہے، کیونکہ اس طرح بہت سے گہرے اسباق حاصل کئے جاسکیں گے، بہت سے وہ پہلو اجاگر ہوں گے جن سے بچنا اور گریز کرنا لازم رہا ہوگا، کچھ ایسے اقدامات نمایاں ہوں گے جن میں جلد بازی کے سنگین نتائج ہوا کرتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ صلاحیتوں کی جگہ جذبات سے کام لیا گیا ہو اور اخلاص کے ساتھ تیاریوں کی ضرورت اوران کے شرعی وجوب کو نظرانداز کیا گیا ہو۔ بہرکیف اس کا فیصلہ ایک بابصیرت اور ذی علم ناقد ہی گہرے مطالعے اور تجزیے کے بعد کرسکتا ہے جس کی طرف ابھی توجہ حسب ضرورت نہیں دی جاسکی ہے، ہمارے وہ نوجوان جن کے پاس فاضل وقت کے ساتھ بڑا دماغ بھی ہے، اس کام کی طرف رخ کریں اور کسی تجربہ کار محقق کی رہنمائی میں یہ کام کریں تو یہ ایک مفید جدوجہد ہوسکتی ہے اور ممکن ہے نتیجہ خیز بھی ہو، اس سے نئی پود کو جہاد جیسے اہم اور نازک مسئلے میں صحیح رہنمائی بھی فراہم ہوگی اور وہ کسی جذباتی نعرے کے پیچھے کھنچنے اور تباہ ہونے سے محفوظ بھی رہیں گے اور اسلام کی صحیح رہنمائی میں اپنے مستقبل کا لائحہ عمل بھی طے کرسکیں گے۔

ذیل میں اہل حدیث مجاہدین آزادی سے متعلق کچھ بھولے بسرے حقائق پیش کئے جارہے ہیں جو ہماری روشن تاریخ کا سرمایۂ افتخار ہیں:

انگریزوں کے ساتھ ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ میں سراج الدولہ، حیدرعلی اور ٹیپو سلطان کا نام سدا جگمگاتا رہے گا

جنھوں نے گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی پر شیر کی ایک روزہ زندگی کو ترجیح دی اور ملک کی آزادی کے لئے اپنے لہو کا آخری قطرہ نچھاور کردیا۔ ان کے بعد اگر کسی نے اس ملک میں آزادی کا صور پھونکا اور حریت کے لئے لہو دینے کی پکار لگائی تو وہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے سلسلہ رشد وہدایت سے فیض یافتہ اور ان کی تحریک آزادئ فکر سے وابستہ بیدار مغز وناصح قوم وملت زعمائے حق سید احمد بریلوی، اسماعیل دہلوی اور ان کے سچے رفقاء ہی تھے، جنھوں نے اپنے قول کی مالا کو عمل کے نگینوں سے سجایا اور اپنے ہر قدم سے یہ ثبوت فراہم کیا کہ جانثاری اور وفاداری کی تاریخ میں یہ ایک انوکھی ادا کے لوگ ہیں جنھیں اپنے مشن کی راہ میں حالات کے تیز وتند دھاروں اور نامساعد وناسازگار طوفانوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ انھوں نے اخلاص اور قربانیوں کی ایک نئی داستان رقم کی۔

سید وشاہ کی نگاہ میں پورا ہندوستان تھا جس کا بیشتر حصہ انگریزوں کے قبضے میں تھا، انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں اپنا نشانا صاف صاف بتاتے ہوئے لکھا تھا:

''دور کے ملک سے آنے والے بیگانے اور سامان بیچنے والے تاجر مالک سلطنت بن گئے۔ جب ہندوستان کا میدان غیروں اور دشمنوں سے خالی ہوجائے گا تو میں مناصب ریاست وسیاست دوسروں کے حوالے کرکے الگ ہوجاؤں گا''۔ (مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۱۷۰ بحوالہ سید احمد شہید حصہ اول ۳۴۷/ از غلام رسول مہر مطبوعہ مکتبہ الحق جوگیشوری ممبئی)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا جذبہ مذہبی تھا مگر ان کے سامنے کا ٹارگیٹ ملک سے غاصب انگریزوں کو بھگانا تھا، گو ان کا تصادم درمیان میں کچھ ملکیوں سے بھی ہوا مگر ان کا اصل مقصد انگریزوں سے جہاد تھا اور ان کی ساری کاوشیں اسی ڈھب پر جاری تھیں۔

ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶/مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کے میدان میں سید وشاہ دونوں نے اپنے اعلیٰ مقصد کے لئے اپنی جانیں قربان کردیں، اللہ تعالیٰ انہیں شہیدوں کے بلند ترین مقام سے سرفراز فرمائے۔

بالاکوٹ تک اس جنگ میں اہل حدیث اور احناف کی جماعت مشترکہ طور پر جہاد میں شریک تھی، شاہ ولی اللہ کی فکری تحریک اور شاہ اسماعیل کی عملی کاوشوں سے جو جماعت اہل حدیث تیار ہوئی اور اس کے جو افراد سفر جہاد میں شریک تھے ان سب کے سربراہ شاہ اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ تھے اور احناف کے سربراہ مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ تھے جو اسی خاندان کے فیض یافتہ اور متعلقین میں سے تھے۔ مگر یہ سب کے سب باہم شیر وشکر تھے ان میں مسلکی تعصب کا کوئی شائبہ تک نظر نہیں آتا ہے، نہ اس ناحیے سے اس متحدہ جماعت میں کسی اختلاف ہی کا پتہ چلتا ہے۔

معرکہ بالاکوٹ کے بعد ۱۸۵۷ء - ۱۳۶۷ھ تک پورے سوا سو سال تک تحریک جہاد اور انگریزوں کے خلاف معرکہ آرائیوں کی باگ ڈور عام طور پر اہلحدیثوں ہی کے ہاتھ رہی۔ چنانچہ ۱۲۴۶ھ سے ۱۳۶۷ھ تک امرائے جماعت یا سپہ سالاران جماعت کے جو نام نظر آتے ہیں ان میں غالب تعداد حتمی طور پر اہلحدیثوں ہی کی ہے جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں: ولی محمد پھلتی، مولوی نصیر الدین منگلوری، میر اولاد علی عظیم آبادی، سید نصیر الدین دہلوی، مولانا عنایت علی عظیم آبادی، مولانا ولایت علی عظیم آبادی، شیخ نور اللہ، شاہ اکرام اللہ، میر تقی،

مولانا مقصود علی عظیم آبادی، مولانا عبداللہ عظیم آبادی، مولوی عبدالکریم عظیم آبادی، مولوی نعمت اللہ عظیم آبادی، مولوی رحمت اللہ عظیم آبادی، مولانا محمد بشیر، مولانا فضل الٰہی وزیرآبادی۔

ان میں سے اکثریت کا اہل حدیث ہونا یقینی طور پر معلوم ہے بالخصوص عظیم آبادی خاندان کے اہل حدیث ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

ان کے معرکے سرحد پر جاری تھے مگر ان کی تنظیم پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی، اس کی جڑیں بہت گہری تھیں، وہ ہوس ملک گیری میں جنگ نہیں بپا کئے ہوئے تھے، ان کا مقصد ملک سے ظلم وجبر کا خاتمہ کرکے عدل وانصاف کا بول بالا کرنا اور ملک کو خوشحالی اور ترقی کی طرف لے جانا تھا، ان سب کے پیچھے وہ رضائے الٰہی اور خوشنودی مولا کے خواہاں تھے، ان کے دعاۃ ومصلحین ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے، انہیں دو طرفہ مشکلات کا سامنا تھا، انگریز تو ان کی تاک میں رہتے ہی تھے، مسلمانوں کے مخالف گروہ بھی ان کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے، لوگوں کو ان کے خلاف ورغلاتے، اکساتے تھے، ان کے خلاف فتوے شائع کرتے تھے، مسجدوں میں ان کا داخلہ ممنوع کیا جاتا تھا، ان کے خلاف حکومت کی جاسوسی کی جاتی تھی اور انہیں زیر کرنے کے تمام حربے آزمائے جاتے تھے۔ مگر وہ اللہ والے اپنی دھن کے اتنے پکے تھے کہ کسی بھی سنگینی یا مصیبت کو خواہ وہ کتنی ہی سخت کیوں نہ ہو خاطر میں نہیں لاتے تھے، تحریک جہاد کے ساتھ اصلاح عقائد کا کام پوری جرأت سے کرتے تھے، مجاہدین کی بھرتی کرکے، انہیں سرحد روانہ کرتے، چندہ کرکے بڑی بڑی رقمیں اور سامان ضرورت مرکز کو بھیجا کرتے تھے، اللہ نے انہیں بڑی صلاحیتوں کا مالک بنایا تھا، شاید یہ ان کے اخلاص وللّٰہیت اور اعمال صالحہ کے اہتمام کی تاثیر تھی کہ بڑی تعداد میں لوگ ان کے گرویدہ ہوجاتے تھے، اور ان کی زندگی یکسر تبدیل ہوجایا کرتی تھی، وہ لہوولعب اور دنیا داری کی زندگی ترک کرکے سچے، دیندار اور پابند شرع مسلمان بن جاتے تھے، اس راہ میں آنے والی تمام دشواریوں کا سامنا خندہ پیشانی سے کرتے تھے اور بڑی سی بڑی قربانیاں پیش کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔

ان کا نیٹ ورک اتنا وسیع، خفیہ اور کامیاب تھا کہ وہ انگریزوں کی تمامتر مستعدی اور ہشیاری کے باوجود اپنا کام کرجایا کرتے تھے۔ اور یہ سلسلہ انہوں نے پورے سوا سو سال تک نہایت کامرانی کے ساتھ چلایا۔

انہوں نے باقاعدہ سکھ اور انگریز فوجوں سے جنگیں لڑیں، کچھ میں انہوں نے شکستیں کھائیں اور کچھ میں فریق مخالف کی کئی گنا طاقت، تنظیم، وسائل اور جنگی مہارتوں کے باوجود میدان انہیں کے ہاتھ رہا، انہوں نے ان معرکوں میں حیرت انگیز کارنامے انجام دئے۔ جہاں انہیں فتوحات حاصل ہوئیں وہاں انھوں نے امن وامان قائم کرنے اور رعایا کی خوشحالی وترقی کے لئے بیش بہا انتظامات کئے، عدل کے دقیق ترین تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا۔ مگر غیروں کی طاقت اور تدبیر سے زیادہ اپنوں کی بے وفائی، غداری اور منافقت نے انہیں زیادہ نقصان پہنچایا اور کئی بار وہ فیصلہ کن کارنامے انجام دیتے دیتے رہ گئے، منزلیں ہاتھ آ آ کر نکل گئیں، کامیابیوں کی چوکھٹیں چوم کر واپس آجانا پڑا۔ اگر اپنوں کے چرکے نہ ہوتے، پشت سے آنے والے خنجروں سے انہیں امن ملا ہوتا تو پھر ۱۹۴۷ء سے بہت پہلے ہی ملک کا نقشہ بدل چکا ہوتا، مگر مسلمانوں کی اکثریت درحقیقت

پچھلی صفوں ہی کی اہل رہ گئی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہیں چھوڑ دیا۔

جہاں تک ان کی بات ہے تو انہیں معلوم تھا کہ یہ سودا سہل نہیں ہے، انھوں نے شہادت گہہ الفت میں قدم رکھا ہے جہاں ہر قدم بر سر تیغ ہوتا ہے، تلوار کی دھاروں پر چلنا ہوتا ہے، اس لئے وہ ذہنی طور پر ہر متوقع وغیر متوقع صورت حال کے لئے تیار رہے، انھوں نے اپنا گھر بار لٹایا، جیل گئے، چکیاں پیسیں، گرمیوں کی شدت میں بزرگوں نے رہٹ چلائے، اس قدر شدت سے دوچار ہوئے کہ خون کا پیشاب آیا، سیکڑوں میل پابجولاں و پیادہ پا چلائے گئے، کالا پانی جزائر انڈومان نکوبار کی طرف دیس نکالا دیا گیا، حویلیاں گرادی گئیں، جائدادیں ضبط کرلی گئیں، بچے سڑکوں پر آ گئے، مگر انھوں نے ہار نہیں مانی، دار پر چڑھ کر مسکراتے رہے اور اپنی آنے والی موت کا جشن مناتے رہے یہاں تک کہ دشمن بھی ان کی سخت جانی اور اصولوں پر استقامت کی اس حیرت انگیز صلابت پر ششدرہ گیا۔

مشہور انگریز آفیسر ڈبلو ڈبلو ہینٹر صاحب نے میدانی تحقیقات کے بعد ایک تفصیلی رپورٹ مجاہدین کی سرگرمیوں کے متعلق مرتب کی تھی جو بعد میں ہمارے ہندوستانی مسلمان کے نام سے شائع ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ بازار میں دستیاب ہے۔ اس کتاب سے ذیل میں چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے مجاہدین کی سرگرمیوں کی اہمیت ان شاء اللہ پوری طرح اجاگر ہوجائے گی۔

وہابی مجاہدین کا نیٹ ورک اور انگریزوں کے خلاف اس کی سرگرمیاں

ہنٹر صاحب لکھتے ہیں:

بنگال کے مسلمان ایک دفعہ پھر عجب کش مکش میں مبتلا ہیں۔ سالہا سال سے سرحد کے مجاہدین کی نو آبادی ہماری سرحد پر چھاپے مار رہی ہے۔ وقتاً فوقتاً وہ متعصب لوگوں کے گروہ بھیج دیتی ہے جو ہمارے کیمپ پر حملہ آور ہوتے ہیں اور ہمارے گاؤں کو جلا کر خاکستر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ہماری فوج کو ان کے ساتھ تین تباہ کن لڑائیاں لڑنی پڑی ہیں۔ اس مخالف نو آبادی کے لیے نہایت ہی منظم طریقہ پر بنگال میں آدمی بھرتی کیے جاتے ہیں اور یکے بعد دیگرے مختلف سازشی مقدمات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سازش کا یہ جال ہمارے تمام صوبوں میں پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ پنجاب سے پرے کا غیر آباد کوہستانی علاقہ گرم تلک کی ان دلدلوں سے جہاں پر دریائے گنگا سمندر میں جا گرتا ہے اس قسم کے مسلسل سازشی اداروں سے ملا ہوا ہے۔ ان مقدمات سے ایسے سازشی اداروں کا پتہ بھی چلا ہے جو گنگا کے دہانے (یعنی جنوبی بنگال) سے بڑی باقاعدگی کے ساتھ روپیہ اور آدمی حاصل کرتے ہیں اور ان کو ہماری جرنیلی سڑک پر منزل بمنزل گزارتے ہوئے باغی کیمپ میں پہنچا دیتے ہیں جو یہاں سے دو ہزار میل کی مسافت پر واقع ہے۔ بڑے بڑے ذہین اور دولتمند اشخاص اس سازش میں حصہ لے رہے ہیں اور روپیہ پہنچانے کے طریقے کو جو باغیانہ سازش کا ایک نہایت ہی خطرناک کام ہے کمال ہوشیاری سے ایک بے ضرر مہاجنی کاروبار کا رنگ دے دیا گیا ہے۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۹-۲۰)

مجاہدین سے انگریزوں کو پیش آنے والی مشکلات اور ان کی سخت ترین یورشیں

''میں ان بے عزتیوں، حملوں اور قتل وغارت کی تفصیلات

میں جانا نہیں چاہتا جو ۱۸۵۶ء میں سرحدی جنگ کا باعث ہوئے۔ اس دوران میں مذہبی دیوانوں نے سرحدی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف متواتر اکسائے رکھا۔ ایک ہی واقعہ تمام حالات کو واضح کردے گا۔ یعنی ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۷ء تک ہم علاحدہ علاحدہ سولہ فوجی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوئے۔ جس سے باقاعدہ فوج کی تعداد پینتیس ہزار ہوگئی تھی اور ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۳ء تک ان مہمات کی گنتی ۲۰ تک پہنچ گئی تھی، باقاعدہ فوج کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار تک ہوگئی تھی۔ بے قاعدہ فوج اور پولس اس کے علاوہ تھی۔ اس اثنا میں ستیانا کیمپ جو ہر وقت ہمارے خلاف سرحد میں تعصب کے جذبات کو ابھارتا رہتا تھا نہایت عقلمندی سے ہماری فوج کے ساتھ براہ راست مقابلہ کرنے سے گریز کرتا رہا۔ لیکن ۱۸۵۷ء میں انھوں نے ہمارے خلاف عام اتحاد[1] کی بنیاد ڈالی اور یہاں تک گستاخانہ دلیری سے کام لیا کہ انگریزی حاکموں سے بھی تخویف مجرمانہ میں مدد کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ چنانچہ ہمارے انکار پر وہ اس قدر برانگیختہ ہوگئے کہ ہمارے علاقہ پر چڑھ دوڑے اور لفٹنٹ ہورن (LIEUT HORN) کے کیمپ پر شبخوں مارا۔ جو اس علاقہ کا اسٹنٹ کمشنر تھا اور اس نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی۔'' (ص ۳۳)

سخت جان مجاہدین کے حملوں کا تسلسل

اپریل ۱۸۶۳ء کے اوائل میں انھوں نے ہمارے علاقے میں پھر قتل وغارت اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری کردیا۔ اسی سال ماہ جولائی میں وہ نہایت دلیری کے ساتھ ستیانا کے علاقہ پر پھر قابض ہوگئے اور ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب کو تہدید آمیز خطوط لکھے۔ ان کی ہمسایہ اقوام نے ایک دفعہ پھر اپنی وفاداری کو اپنے تعصب پر قربان کردیا اور ان مواعید کو جو ہمارے ساتھ کیے گئے تھے، بالکل فراموش کردیا۔ چنانچہ اس باغی آبادی کو سرحد پر ایک دفعہ پھر حاکمانہ اقتدار حاصل ہوگیا۔ دسمبر ۱۸۶۳ء کو وہ برطانوی علاقہ پر چڑھ دوڑے اور ہماری طلایہ گرد فوج کے کیمپ پر شبخوں مار کر گویا باقاعدہ جنگ کا اعلان کردیا۔ اس کے بعد انھوں نے ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب پر بھی حملہ کرکے کوہ سیاہ پر ان کے دیہات کو جلادیا اور سرحدی چوکیوں پر باقاعدہ جنگ شروع کردی۔ اسی مہینے میں انھوں نے تناول کی حلیف تحصیلوں پر بھی چھاپہ مارا اور ایک ملکی افسر کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ قتل کرڈالا۔

پھر ہمارے دوستوں پر ہی حملہ کرنے پر اکتفانہ کرتے ہوئے انھوں نے دریائے سندھ کے کنارے ہماری چوکی پر بھی ہلہ بول دیا۔ انگریز کافروں کے خلاف ایک باقاعدہ اعلان جنگ شائع کیا اور ہر دیندار مسلمان کو اس جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔

منظم فوج سے مجاہدین کی نبرد آزمائی پر انگریز کو تعجب

''اس متعصب نوآبادی کے خلاف ان چار مہموں میں سے ایک مہم کو بہ تفصیل بیان کرنے کے لیے منتخب کرلوں گا۔ اس سے ظاہر ہوجائے گا کہ جس طرح باغی کیمپ امن کے زمانہ میں ہماری سرحد پر ہمارے لیے باعث توہین تھا اس سے کہیں زیادہ جنگ کے زمانہ میں ہماری فوج کی تباہی کا سبب بن گیا تھا۔ جب تک ہم نے ان سے باز پرس نہ کی وہ ہمارے دوستوں اور ہماری رعایا کو قتل اور اغوا کرنے کے لیے گروہ پر گروہ بھیجتے رہے اور جب ہم نے ان کو فوجی قوت کے ساتھ صفحۂ ہستی سے نابود کردینا چاہا تو انھوں نے ہمارے افسروں کو دھوکے میں رکھا اور ہماری فوج کو سخت نقصان پہنچایا اور کچھ عرصہ تک سارے برطانوی ہندوستان کی سرحدی فوج کا جم کر مقابلہ کرتے رہے۔

اس سے یہ سمجھ لینا نہایت آسان ہوگا کہ کس طرح باغیوں اور پناہ گزینوں کی آبادی نے جس کے پشت پناہ ہماری ہی سلطنت کے سازشی اور متعصب لوگ تھے، نفرت وحقارت سے مغلوب ہوکر خود ہم کو ہی کھلم کھلا چیلنج دے دیا تھا۔ لیکن اس بات کا سمجھنا ذرا مشکل ہے کہ وہ کس طرح ایک منظم فوج کی قوت اور جنگی قابلیت کا مقابلہ کر سکتے تھے خواہ وہ تھوڑے ہی وقت کے لیے کیوں نہ ہو۔'' (ص ۳۷)

مجاہدین کی قوت

''۱۸۶۳ء کی لڑائی میں ہم نے کافی نقصان اٹھانے کے بعد یہ سبق حاصل کیا تھا کہ ایک مجاہدین کے کیمپ کے خلاف مہم روانہ کردینا دنیا کے [1] ۵۳۰۰۰ ہزار جنگجو اور بہادر انسانوں کی مجموعی طاقت کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔ ملک کے دشوار گزار ہونے کی وجہ سے ہمارے سرحدی افسر قبائل کے مزاج اور ان کے آپس کے تعلقات کے متعلق اکثر متذبذب رہتے ہیں اور جب کبھی ان باغیوں کو شکست ہوتی ہے تو وہ صرف مہابن کے اندر دشوار گزار دروں میں چلے جاتے ہیں۔

[1] (میں یہاں پر علاحدہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر ایک قبیلہ بغیر کسی تکلیف کے کتنے آدمی میدان جنگ میں لاسکتا ہے حسین زئی ۲۰۰۰، آکا زئی ۱۰۰۰، دستکار زئی ۶۰۰۰، مدک خیل ۴۰۰۰، آما زئی ۱۵۰۰، جادوں ۴۰۰۰، خداخیل ۲۰۰۰، بنیری ۱۲۰۰۰، باجور ۳۰۰۰، رانی زئی ۲۰۰۰، دیر قبیلہ ۶۰۰۰، سوات کے قبیلے ۱۰۰۰۰۔ مجموعہ ۵۳۵۰۰۔ یہ اعداد وشمار میں نے دفتر خارجہ سے حاصل کیے ہیں اور جہاں تک ہوسکا کرنل میکر یگر (MACRAGPR) سے اصلاح کرالی ہے۔ اس وقت فرانٹیر گیزیٹر میں مشغول ہیں ۱۸۶۲ء میں ایک موقع پر ہمارے خلاف ان جنگ جوؤں کی تعداد ۶۰۰۰۰ ہزار ہوگئی تھی)

انگریزی فوج کے نزدیک مجاہدین کی اہمیت

''میں یہاں پر اس مہم کے واقعات کی تفصیل بیان کرنا نہیں چاہتا۔ جولائی کے مہینے ہی میں پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے ضروری برقی پیغامات موصول ہوئے تھے جن میں شورش برپا ہونے کی اطلاعات دی گئی تھیں۔ جیسا کہ فوج کے کوارٹر ماسٹر جنزل [1] نے لکھا تھا کہ تنبیہ اس قدر ضروری اور مدد کے لیے التجا اس قدر اہم تھی کیونکہ حقیقۃً ہماری فوج کا ایک دستہ باغیوں کے محاصرہ میں تھا کہ حکومت ہند نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ جیسا کہ ۱۸۶۳ء کی تباہی نے سبق دیا تھا، کمانڈر اعظم نے پنجاب کی فوجی چھاؤنیوں کو کمزور کرنے یا سرحدی چوکیوں سے فوجی دستے منگوانے کے بجائے شمال مغربی صوبوں سے رجمنٹیں منگوائی تھیں۔ لڑائی لڑنے والا دستہ چھ ہزار سے سات ہزار باقاعدہ فوج پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ باقی سرحد کی تمام فوج دگنی کردی گئی تھی اور ہندوستان میں انگریزی فوج کے منتخب شدہ سپاہی مجاہدین کے مقابلہ میں جمع کردیے گئے تھے۔''

[1] (گورنمنٹ کے ملٹری محکمہ کے سکریٹری کو خط نمبر ۱۶۳ مجریہ ۵ رنومبر ۱۸۶۸ء پیرا نمبر ۴)

مجاہدین کے خلاف انگریز کی کارروائیوں کا نتیجہ اور اس کا اعتراف عجز

''اب میں نے اپنی سرحد پر اس باغی کیمپ کی تمام تاریخ ۱۸۳۱ء سے جب کہ اس کی ابتدا ہوئی ۱۸۶۸ء تک جب کہ آخری مرتبہ انھوں نے ہم کو جنگ میں دھکیلا، بیان کردی ہے۔ وہ تمام پرانی مصیبتیں جو انھوں نے سکھ حکومت کے وقت سرحد پر نازل کی تھیں، وہ تمام ایک تلخ وراثت کی صورت میں ہم تک پہنچیں۔ اس نے تمام سرحد میں تعصبی جذبات کو برقرار رکھنے کے

علاوہ تین مرتبہ قبائل کو یکجا اکٹھا کر دیا۔ جس کی وجہ سے برطانوی ہند کو ہر ایک موقع پر بہت ہی مہنگی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ یکے بعد دیگرے ہر گورنمنٹ نے اعلان کیا کہ یہ ہمارے لیے ایک مستقل خطرہ ہے، لیکن اس کے باوجود ان کو تباہ کرنے کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ اب تک بھی یہ ہماری غیر وفادار رعایا اور ہمارے سرحد پار کے دشمنوں کی امیدوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ کس وقت ہم قبائل کی خانہ جنگیوں کی لپیٹ میں آجائیں گے جو وسط ایشیا میں ہر وقت جاری رہتی ہیں۔ مگر اس وقت یہ عین ممکن ہے کہ اس سال کے ختم ہونے سے پہلے ایک اور افغانی جنگ لڑنی پڑے۔ یہ جنگ جب کبھی بھی ہوگی (اور جلد یا بدیر ہو کر رہیگی) تو ہماری سرحد پر غدار آبادی ہمارے دشمنوں کو ہزارہا آدمی مہیا کر سکے گی۔ ہمیں ان غداروں کی اپنی ذات سے کوئی ڈر نہیں، اگر ہمیں ڈر ہے تو ان شورش پسند عوام سے ہے جن کو یہ مجاہدین ہمارے خلاف جہاد کرنے کے لیے بار بار اکٹھا کرتے ہیں۔ نوصدیوں کے دوران میں ہندوستانی لوگ شمال کی طرف سے حملہ کرنے کے عادی ہو چکے ہیں اور کوئی شخص اس اہمیت کے متعلق پیشگوئی نہیں کر سکتا جسے یہ باغی کیمپ مغربی مسلمان خانہ بدوش گروہوں کی مدد سے ایک ایسے لیڈر کی سرکردگی میں جو اپنے اندر ایشیا کی قوموں کو جہاد کرنے کے لیے اکٹھا کر سکتا ہو، حاصل کر سکتا ہے۔" (۵۱-۵۲)

انگریزوں کے خلاف وہابیوں کا باغیانہ لٹریچر

انگریزوں کے خلاف ضرورت جہاد پر اگر وہابیوں کی نظم و نثر کی مختصر سے مختصر کیفیت بھی لکھنے کی کوشش کی جائے تو اس کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ اس جماعت نے بہت سا ادب پیدا کر دیا ہے جو انگریزی حکومت کے زوال کی پیشگوئیوں سے پُر اور ضرورت جہاد کے لیے وقف ہے۔ ان کتابوں کے محض نام ہی سے ان کے تمام کمال باغیانہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ میں ذیل میں چودہ کتابوں کی فہرست دیتا ہوں:

(۱) صراط مستقیم - یہ امام سید احمد امیر المومنین کے ملفوظات ہیں۔ مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے اس کو فارسی زبان میں لکھا اور مولوی عبدالجبار کانپوری نے اردو میں ترجمہ کیا۔

(۲) قصیدۂ جہاد - یہ ایک نظم ہے جس میں جہاد کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور ان لوگوں کے لیے اجر بیان کیا گیا ہے جو اس میں حصہ لیں گے، مصنفہ مولوی کرم الٰہی کانپوری۔

(۳) شرح وقایہ - کافروں کے خلاف جہاد پر بحث ہے۔ اس میں مجاہدین کے متعلق اور کن کن سے جہاد کرنا چاہیے کے متعلق پوری ہدایات موجود ہیں۔ اس میں بہر حال اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جہاد اس وقت کرنا چاہیے جب کہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو۔

(۴) "منظم پیشگوئی نعمت اللہ"! یہ انگریزی حکومت کے زوال کی پیش گوئی ہے۔ اور اس میں ایک مغربی بادشاہ کی آمد کا بیان ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کو انگریزوں کے پنجے سے رہائی دلائے گا۔

(۵) تاریخ قیاصر روم، مصباح السیر - یہ عبدالوہاب بانیٔ جماعت کی سوانح عمری ہے اس پر مظالم، اس کی جنگ ترکی مرتدین کے خلاف وغیرہ درج ہیں۔ (مسودہ)

(۶) آثار محشر یعنی قیامت کی نشانیاں مطبوعہ مولوی محمد علی ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء اس منظوم کتاب کی بہت اشاعت کی گئی ہے۔ یہ پنجاب کی سرحد پر خیبر کی پہاڑیوں پر ایک جنگ کی پیش گوئی ہے جہاں پر انگریز پہلے پہل مسلمانوں کو شکست دیں گے،

اس پر مسلمان ایک سچے امام کی تلاش کریں گے۔ پھر ایک جنگ ہوگی جو چار دن تک رہے گی۔ جس کا انجام انگریزوں کی مکمل تباہی پر ہوگا۔ یہاں تک کہ حکومت کی بوبھی ان کے دل ودماغ سے نکل جائے گی۔ اس کے بعد امام مہدی کا ظہور ہوگا اور اب کہ مسلمان ہندوستان کے حکمراں ہوں گے تو وہ جوق درجوق مکہ معظّمہ میں ان سے جا ملیں گے۔ یہ واقعات رونما ہونگے جب کہ چاند اور سورج دونوں رمضان المبارک کے مہینے میں گرہن ہوں گے۔

(۷) تقویت الایمان۔یعنی استحکام دین۔مصنفہ مولوی محمد اسماعیل دہلوی۔

(۸) تدابیر الاخوی یعنی برادرانہ گفتگو۔

(۹) نصیحت المسلمین۔مسلمانوں کو نصیحت۔مولوی کرم علی کانپوری۔

(۱۰) ہدایت المومنین۔مصنفہ اولاد حسین۔

(۱۱) تنویر العینین۔آنکھوں کی روشنی (عربی میں ہے)

(۱۲) عبدالحامد۔(عربی میں ہے)

(۱۳) تنبیہ الغافلین۔(اردو میں ہے)

(۱۴) چہل حدیث۔رسول اکرم ﷺ کی چالیس حدیثیں جہاد کے متعلق۔(۲۶-۷۷)

(آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان میں ہر کتاب نہ انگریزوں کے خلاف لکھی گئی نہ ان میں جہادی تحریک پائی جاتی ہے مگر اس نے اپنی تحقیق میں جن جن کتابوں کو موثر دیکھا اور لوگوں میں ان کی پذیرائی دیکھی ان سب کو اس فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ مگر بہت سی خاص وہ کتابیں اور مضامین جو موضوع سے متعلق تھے اس کی فہرست میں نظر نہیں آتے ہیں)

مجاہدین کی باکمال اور پرجوش قیادت کے کارنامے

''ایک دفعہ پھر ان مجنونوں کی تحریک تباہی کے قریب معلوم ہوتی تھی مگر پٹنہ کے خلیفوں کے تبلیغی جوش اور مال ودولت نے جو ان کے تصرف میں تھی، مقدس جھنڈے کو خاک سے اٹھا کر ایک بار پھر بلند کر دیا۔ انھوں نے تمام ہندوستان میں اپنے مبلغ دوڑا دیے اور مذہبیت کو اس حد تک زندہ کیا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ ان دونوں خلیفوں [1] نے بذات خود بنگال اور جنوبی ہند کا دورہ کیا۔ چھوٹے چھوٹے مبلغین بے شمار تھے۔ اور مدبرانہ تنظیم نے ان کو اس قابل بنا دیا تھا کہ جہاں کہیں حالات اجازت دیتے اپنے مریدوں میں اپنا اڈا جما لیتے۔ اس طرح پر ہر ضلع میں مجاہدین کا ایک مبلغ ہوتا اور ان کے جذبات کو مشتعل رکھنے کے لیے وقتاً فوقتاً سفری واعظ بھی دورہ کرتے رہتے۔ پٹنہ کا مرکزی پروپیگنڈا ان کے اقتدار کو پائدار اور مستقل کرتا رہتا تھا۔ شر انگیزی کے لیے ان مبلغوں کی قوت بنگال میں کس قدر بڑھ گئی ہے، میں بعد میں بیان کروں گا۔ جنوبی ہند میں انھوں نے جوش وخروش کی وہ آندھی چلائی کہ عورتوں نے اپنے ہیرے جواہرات تک بیت المال میں دے دیے۔ شمال مغربی صوبوں سے انھوں نے رنگروٹوں کی کمپنیوں کی کمپنیاں مجاہدین کے کیمپ کی طرف روانہ کیں۔ ہر جگہ پر انھوں نے مسلمان آبادی کے جوش کو انتہا تک پہنچا دیا۔ اور اگرچہ بنگالیوں کی اعلیٰ دفاعی قوتیں آخر کار اس تحریک کو موجودہ درجہ تک لے آئیں لیکن کچھ مدت کے لیے ہندوستان کے تمام صوبوں میں ایک ہی جیسے جوش وخروش کے ساتھ زندہ رہی۔ پٹنہ کے مجسٹریٹ نے لکھا تھا کہ ان لوگوں نے ہمارے گنجان آباد ضلعوں کے ہر ایک گاؤں میں خود حکومت کے افسروں کی زیر حفاظت اور زیر سایہ علانیہ بغاوت کی تبلیغ کی۔

مسلمان آبادی کے دلوں کو بے قرار کیا اور فتنہ وفساد کے لیے ایسا حیرت انگیز اقتدار حاصل کیا جیسا کہ ظاہر ہے۔''②

① (ولایت علی اور عنایت علی۔اول الذکر نے بنگال کا دورہ کرنے کے بعد بمبئی علاقۂ نظام اور وسط ہندوستان کو اپنا خاص علاقہ بنالیا۔عنایت علی نے اپنی تمام کوششیں جنوبی اور وسطی صوبوں میں صرف کردیں مالوہ، بوکرہ، راجشاہی پٹنہ، نادیہ اور فرید پور، کرامت علی نے اس تحریک کو فرید پور سے مشرق کی طرف ڈھاکہ، میمن سنگھ، نواکھلی اور باریسال تک پہنچادیا۔زین العابدین نے جو حیدرآباد کا رہنے والا تھا اور جس کو ولایت علی نے اپنے جنوب کے دورے میں مرید کیا تھا اپنی کوششوں کا مرکز شمال مشرقی بنگال کو بنایا اور سلہٹ اور شمالی پتریا کے کسانوں کو اپنا ہمنوا بنالیا۔کلکتہ ریویو جلد (c.i))

② (سرکاری دستاویزات ۱۸۶۵ء)(ص ۵۹)

وہابیوں کی تنظیمی صلاحیت

''اس بغاوت کے تین نمایاں پہلو جو مقدمہ کے دوران میں ظاہر ہوئے یہ ہیں۔پہلی وہ حیرت انگیز قابلیت جس سے دور دراز تک پھیلی ہوئی بغاوت کو منظم کیا گیا دوسرے وہ رازداری جس کے ساتھ اس کی مختلف پیچیدہ کاروائیاں عمل میں لائی گئیں۔ تیسرے وفاداری کا وہ رویہ جو اس کے ممبروں نے ایک دوسرے کے ساتھ روا رکھا۔انکی کامیابی کا راز ان کے عمدہ فرضی ناموں کے ترکیب اور خفیہ زبان پر تھا۔'' (۱۰۶-۱۰۷)

بنگال کے وہابی مجاہدین کی سرگرمیاں اور انگریزوں کے خلاف ان کے جذبات کی کیفیت

''دہانۂ گنگا کے متعصب مسلمان اپنے آپ کو وہابی نہیں بلکہ فرازی ① کہتے ہیں یعنی زیادہ اعلیٰ مذہب کے پیرو۔ وہ اپنے آپ کو نومسلم کہہ کر بھی پکارتے ہیں۔کلکتہ کے مشرقی اضلاع میں ان کی ایک کافی تعداد رہتی ہے۔ہم اس سے پہلے دیکھ آئے ہیں کہ ۱۸۳۱ء میں ایک مقامی لیڈر نے تین چار ہزار آدمیوں کو اپنے گرد جمع کرلیا تھا اور کلکتہ کے ملیشیا کی ایک جماعت کو شکست بھی دی تھی، یہاں تک کہ باقاعدہ فوج ہی کی مدد سے ان کو دبایا جاسکا۔ ۱۸۴۲ء میں اس جماعت نے ایک خطرناک صورت اختیار کرلی اور حکومت کو اس کی بالخصوص تحقیقات کرنا پڑی۔ بنگال کے پولیس افسر نے رپورٹ کی تھی کہ ان کے صرف ایک واعظ نے اسی (۸۰) ہزار مرید جمع کر رکھے ہیں جو آپس میں پورا پورا بھائی چارہ رکھتے اور ہر ایک کے منشا کو جماعت کا منشا سمجھتے ہیں۔بعد کے خلفاء خصوصاً یحیٰ علی نے جنوبی بنگال کے فرازیوں کو شمالی ہندوستان کے وہابیوں میں مدغم کردیا تھا۔اور گزشتہ تیرہ برس سے ہم ان کو میدان جنگ کے مقتولین اور عدالتوں کے کٹہروں میں ساتھ ساتھ کھڑا دیکھتے ہیں۔

① (فراز: بلند۔وہ اپنی جماعت کا بانی تیطو میاں کو نہیں بلکہ شرکت اللہ کو جو ڈھاکہ میں ۱۸۲۸ء میں وعظ کیا کرتا تھا قرار دیتے ہیں)

تحریک کے لئے جذبہ فدائیت وجانثاری

۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک جمع شدہ سرمایہ اور آدمی حسب دستور سرحد جاتے رہتے۔ چنانچہ اس سازش کو قابو میں لانے کے لیے ہمیں ایک علاحدہ محکمہ قائم کرنا پڑا۔اس وقت وہابیوں کی دیکھ بھال اور ان کو اعتدال پر رکھنے کے لیے صرف ایک ہی صوبے کا خرچ اس قدر بڑھ گیا تھا جتنا ایک انگریزی ضلع کا جس میں سکاٹ لینڈ سے ایک تہائی انسان بستے ہیں بندوبست عدالت اور جرائم پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔یہ شرانگیزی اس حد تک پھیل چکی ہے کہ ہمارے لیے اس بات کا معلوم کرنا بہت ہی مشکل ہوگیا ہے کہ اصلاح شروع کی جائے تو کہاں سے۔ہر ایک ضلع کا مرکز ہزاروں خاندانوں میں بے اطمینانی پھیلاتا ہے اور ان کے خلاف صرف وہی لوگ شہادت

دے سکتے ہیں جوان کے مرید ہوں لیکن ان کا یہ حال ہے کہ اپنے سردار سے غداری کی بجائے موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

۱۸۶۸ء میں ہماری پولیس کی تگ ودو اور سرحد پر فوجی چوکیوں کے باوجود ان مجاہدین کی سازشوں نے حکومت ہند کو ایک اور خونریز جنگ میں ڈھکیل دیا، جس میں ہمارا بہت سارو پیہ خرچ ہوا۔ اسی سال مالدہ کے مرکز نے بے خطر ہو کر پٹنہ کے خلیفہ کے لڑکے کو دعوت دی کہ وہ بنگال کے عین وسط میں پہنچ کر بغاوت کی تبلیغ کرے۔ روزمرہ کی عدالتی کاروائیاں اس بحران کو روکنے کے لیے بالکل بے کار ثابت ہوئیں اور حکومت کو ان اختیارات خصوصی سے کام لینا پڑا جن کے استعمال کا ایسے مواقع پر اس کو اختیار دیا گیا ہے۔ (ص۱۰۸-۱۰۹)

وہابیوں پر قائم مشہور مقدمات

ہنٹر نے ۱۸۶۴ء کے انبالہ کیس کا جو وہابیوں پر قائم کیا گیا تھا تفصیلی بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: جولائی ۱۸۶۴ء میں سر ہربرٹ ایڈورڈ نے انبالہ کے سیشن جج کی حیثیت سے ایک ایسے سیاسی مقدمہ کا فیصلہ سنایا جس میں عدالت کی بیس پیشیاں ہو چکی تھیں۔ انگریزی حکومت کی مسلمان رعیت کے گیارہ افراد کو بغاوت کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔ اس میں مسلمان قوم کے ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ ان میں بہت بڑے عالم خانوادوں کے چشم و چراغ، ایک فوجی ٹھیکیدار، ایک فوجی تھوک فروش قصاب، ایک عرضی نویس، ایک سپاہی، ایک دورہ کرنے والا مبلغ، ایک خدمت گار نوکر اور ایک کاشتکار تھا۔ ان کی پیروی ایک انگریز وکیل نے کی۔ ان کو عدالت میں قانونی عذر خواہی اور مقدمے پر بہترین وکالت سے پورا فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل تھا۔ ان کے چھ ہم وطن بحیثیت اسیسر کے جج کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس مقدمہ کے خاتمہ پر ان میں سے آٹھ کو عمر قید بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی اور تین کو قانون کی انتہائی سزا دی گئی۔ اس کے بعد اس نے ہر ہر ملزم کا مبسوط تعارف کرایا ہے جن میں مولانا یحییٰ علی اور مولانا جعفر تھانیسری سرفہرست ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے تحریک مجاہدین کے ہمہ گیر اثرات، ملکی سطح پر ان کی سرگرمیوں اور انگریزوں کے خلاف ان کی سرگرمیوں کی تباہ کاریوں کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اس لئے انگریزوں نے اس تحریک کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اپنے اقتدار کا اندھا دھند استعمال کیا اور اس کے لئے ایسے ایسے حربے آزمائے جن کی تفصیل انتہائی المناک ہے۔ مگر ان سے آگاہی کے لئے مولانا غلام رسول مہر، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا نذیر احمد املوی، جناب قیام الدین صاحب بلکہ مولانا عبدالرحیم صادقپوری اور مولانا جعفر تھانیسری کی کتابوں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

تحریک مجاہدین کی سرگرمیوں کے علاوہ جب ملک میں تحریک آزادی کی عام لہر چلی تو اس میں اہل حدیث علماء واعیان نے نمایاں کارنامے انجام دئے تھے جن میں سرفہرست مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا محمد علی قصوری، مولانا داود غزنوی وغیرہ تھے، ان کے علاوہ بھی بہت سی اہم شخصیات ہیں جن کے کارناموں سے نئی نسل کو روشناس کرانا بہت ضروری ہے، جس کے لئے مختلف جہات سے کام کرنے کی ضرورت ہے اس کی اہمیت اس لئے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس تاریخ کو مسخ کرنے اور فراموش کرنے کی منظم کاوشیں ہو رہی ہیں۔

❖ ❖ ❖

ایمانیات

[۶]

قرآن وسنت کے نصوص میں نور وظلمات

ابوعبداللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی

قرآن کریم انہیں ہدایت کی راہ اور صراط مستقیم کی رہنمائی کرتا ہے اور ایسے نفع بخش علوم سکھاتا ہے جس سے مکمل ہدایت حاصل ہوتی ہے، وہ ان کے لئے دلوں کی بیماریوں سے شفا ہے، کیونکہ وہ انہیں برے اخلاق سے توبیخ کرتا اور اس توبۂ نصوح (خالص توبہ) کی رغبت دلاتا ہے جو ان کے گناہوں کو دھوتا اور دلوں کو شفا عطا کرتا ہے، رہے وہ لوگ جو قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو ان کے کانوں میں قرآن کی سماعت سے بہرا پن اور اعراض ہے اور وہ ان کے لئے اندھے پن اور تاریکی کا سبب ہے، اس لئے انہیں اس سے ہدایت نظر نہیں آتی اور وہ راہ یاب نہیں ہوتے، بلکہ اس سے مزید ان کی گمراہی میں اضافہ ہی ہوتا ہے، کیونکہ جب انھوں نے حق کو ٹھکرا دیا تو ان کے اندھے پن اور گمراہی میں مزید اضافہ ہوگیا، اور انہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ نہیں سنتے' بعینہ اس شخص کی طرح جسے بلایا جائے اور آواز دی جائے دراں حالیکہ وہ دور ہو تو وہ نہ ہی بلانے والے کی آواز سنے اور نہ ہی آواز لگانے والے کی جانب متوجہ ہو، مقصود یہ ہے کہ جو لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے ہیں وہ اس کی ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھاتے، نہ اس کی روشنی سے دیکھتے ہیں اور نہ ہی اس سے کسی خیر وبھلائی کا استفادہ ہی کر پاتے ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنے کفر واعراض کے سبب خود ہی اپنے آپ پر ہدایت کے دروازے بند کر لئے ہیں (تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للسعدی، ص۶۹۷)۔

آیت کریم کے شروع میں اللہ کے ارشاد {وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا} کے سلسلہ میں امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کا میلان یہ ہے کہ اس میں ''روح'' سے مراد قرآن کریم ہے، نیز حافظ ابن کثیر اور علامہ سعدی رحمہما اللہ کے نزدیک قطعی بات یہی ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہاں ''روح'' سے مراد نبوت ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ''رحمت'' ہے نیز کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ''وحی'' ہے (دیکھئے: جامع البیان عن تاویل آی القرآن للطبری، ۲۱/۵۹۹، وتفسیر البغوی، ۴/۱۳۲، والجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۱۶/۵۳، وتفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ۴/۱۲۴)۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یعنی ہم نے اس روح کو ایک ایسا نور بنایا ہے جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت عطا کرتے ہیں، چنانچہ اللہ نے اپنی وحی کو روح قرار دیا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ دلوں اور روحوں کو زندگی ملتی ہے جو کہ حقیقی زندگی ہے، جو اس سے محروم ہے وہ زندہ نہیں بلکہ مردہ ہے، نعمتوں کے گھر 'جنت' میں ابدی دائمی زندگی، اسی روح کے سبب دل کی

زندگی کا ثمرہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف وحی کی ہے، چنانچہ جو اس کے ذریعہ اس دنیا میں زندگی نہ پا سکا وہ جہنم رسیدوں میں سے ہوگا، جس میں نہ مرے گا اور نہ ہی جیے گا۔ دنیوی، برزخی اور جزاء کے ان تینوں گھروں میں سب سے عظیم زندگی والا وہ شخص ہے جسے اس ''روح'' سے عطا ہونے والی زندگی سے سب سے عظیم حصہ عطا ہوا ہو، اور اللہ نے اسے (قرآن کو) ''نور'' قرار دیا ہے کیونکہ اس سے دلوں کو روشنی اور ضوفشانی حاصل ہوتی ہے اور روح کا کمال انہی دونوں اوصاف سے ہے، زندگی اور نور، اور ان دونوں تک رسائی رسولوں (علیہم الصلاۃ والسلام) کے ہاتھوں ہی پر اور وہ جو چیزیں لیکر مبعوث ہوئے ہیں اس سے ہدایت یابی اور ان کے طاق سے نفع بخش اور نیک علم کے حصول ہی سے ممکن ہے، ورنہ روح مردہ اور تاریک ہوگی، چنانچہ اگر بندہ کی طرف زہد، فقہ اور فضیلت کے ذریعہ اشارہ کیا جاتا ہے تو اس کا راز اور سرچشمہ اس روح سے زندگی اور روشنی کا حصول ہے جس کی اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی کی ہے اور اسے نور بنایا ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے، لہٰذا علم کثرت نقل، بحث وجستجو اور کلام ہی کا نام نہیں ہے بلکہ درحقیقت وہ ایک نور ہے جس کے ذریعہ صحیح وبے بنیاد، حق وباطل اور اسی طرح طاق نبوت سے نکلی چیزوں اور لوگوں کے آراء وافکار کے درمیان فرق وامتیاز کیا جاتا ہے''(اجتماع الجیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلة والجهمیه، ۲/۸۸)۔

اللہ عزوجل نے اس عظیم نور پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے:

{فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنزَلْنَا ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ}(التغابن:۸)۔

سو تم اللہ پر اس کے رسول پر اور اس نور پر جسے ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قران کریم میں جو احکامات، شرائع اور خبریں ہیں وہ ایسے انوار ہیں جن کے ذریعہ جہالت کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور اسی لئے اللہ نے اس کا نام نور رکھا ہے (دیکھئے: جامع البیان عن تاویل آی القرآن للطبری، ۲۳/۴۱۹، والجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۱۸/۱۳۲، و تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للسعدی، ص ۸۰۳)۔

اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والوں، آپ کی مدد کرنے والوں اور آپ کے ساتھ نازل کردہ نور کی اتباع کرنے والوں کے لئے فلاح وکامرانی لکھ دی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

{فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ}(الاعراف:۱۵۷)۔

سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

لیکن اس واضح بیان اور روشن نور کے باوجود مشرکین اور

یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی، تو اللہ عزوجل نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے صبر کی تلقین فرمائی (دیکھئے: جامع البیان عن تاویل آی القرآن للطبری، ۷/۴۵۰، ۱۷/۴۵۹، والجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۴/۳۰۴، وتفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ۱/۴۳۴، و تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للسعدی، ص۱۲۶)، ارشاد ہے:

{فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ جَآءُو بِٱلْبَيِّنَٰتِ وَٱلزُّبُرِ وَٱلْكِتَٰبِ ٱلْمُنِيرِ} (آل عمران: ۱۸۴)۔

پھر بھی اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو روشن دلیلیں صحیفے اور منور کتاب لے کر آئے۔

نیز ارشاد ہے:

{وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِٱلْبَيِّنَٰتِ وَبِٱلزُّبُرِ وَبِٱلْكِتَٰبِ ٱلْمُنِيرِ} (فاطر: ۲۵)۔

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انھوں نے بھی جھٹلایا تھا ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر معجزے اور صحیفے اور روشن کتابیں لیکر آئے تھے۔

اللہ تعالیٰ صحیح علم، ہدایت اور ایسی روشن کتاب کے بغیر جو حق کو کھول کھول کر واضح طور پر بیان کرنے والی ہو، محض باطل کے ذریعہ مجادلہ (بحث وتکرار) کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے، چنانچہ نہ رہنمائی کرنے والی عقل ہو، نہ ہدایت یافتہ پیشوا اور رہبر اور نہ ہی کوئی عقلی یا نقلی دلیل وبرہان، ارشاد باری ہے:

{وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يُجَٰدِلُ فِى ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَٰبٍ مُّنِيرٍ} (الحج: ۸، و لقمان: ۲، نیز دیکھئے: تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للسعدی، ص۴۸۳، ۵۹۸)۔

بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں۔

(۱۸) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

{هُوَ ٱلَّذِى يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِۦٓ ءَايَٰتٍۭ بَيِّنَٰتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ} (الحدید: ۹)۔

وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں اتارتا ہے تا کہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے، یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندہ محمد ﷺ پر واضح آیتیں، مسکت حجت وثبوت، روشن دلائل اور قطعی براہین نازل فرماتا ہے، اور ان میں سے سب سے بڑی دلیل قرآن کریم ہے، تا کہ رسول ﷺ اور آپ پر نازل کردہ کتاب وحکمت کو بھیج کر لوگوں کو ضلالت وگمراہی، کفر وشرک، جہالت اور باہم متعارض آراء کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان وتوحید اور علم وہدایت کی روشنی کی طرف لائے۔ یہ (درحقیقت) اپنے بندوں پر اللہ کی رحمت اور اس کا احسان ہے، چنانچہ ہر طرح کا شکر، حمد اور اچھی ثناء اسی کے لئے ہے، نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی پالنہار (دیکھئے: جامع البیان عن تاویل آی القرآن للطبری، ۲۳/۱۷۳، والجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۱۷/۲۳۰،

وتفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ۳/۳۰۷، و تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للسعدی، ص ۸۷۷)، اور یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ نے فرمایا:

{فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ} (الطلاق:۱۰، ۱۱)۔

پس اللہ سے ڈرو اے عقلمند ایمان والو، یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف نصیحت اتار دی ہے۔ (یعنی) رسول ﷺ جو تمہیں اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ کر سناتا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وہ تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے۔

(۱۹) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

{يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَاۗءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ} (الحدید:۱۲، ۱۵)۔

(قیامت کے) دن آپ دیکھیں گے کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا آج تمہیں ان جنتوں کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے، یہی عظیم کامیابی ہے۔ اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں، جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور روشنی تلاش کرو، پھر ان مومنین کے اور ان (منافقین) کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی جس میں دروازہ بھی ہوگا، اس کے اندرونی حصہ میں تو رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا۔ یہ چلا چلا کر ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ کہیں گے کہ ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں ڈال رکھا تھا اور انتظار میں ہی رہے اور شک وشبہ کرتے رہے اور تمہیں تمہاری فضول تمناؤں نے دھوکہ میں ہی رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے والے نے دھوکہ میں ہی رکھا۔ الغرض آج تم سے نہ فدیہ (اور نہ بدلہ) قبول کیا جائے گا اور نہ کافروں سے، تم (سب) کا ٹھکانا دوزخ ہے، وہی تمہاری رفیق ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

❖ ❖ ❖

[۱۴]

عقیدہ ومنہج

اللہ تعالیٰ عرش پر ہے ہر جگہ نہیں

محمد مقیم فیضی

احناف کے مختلف فرقے اور ان میں سے بڑی تعداد کا انحراف:

● امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خاندان میں بہت جلد ہی باطل عقائد داخل ہو گئے، اور وہ لوگ اعتقادی فساد والحاد کے داعی اور اہل بدعت واہواء کے سردار بن گئے، [1] ان میں مختلف فرقوں کا ظہور ہوا جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

أ- جہمی احناف

ب- معتزلی احناف

ج- احناف مرجئہ [2]

[1] (دیکھئے: التنکیل ۱/ ۲۵۹-۲۶۱)

[2] (مرجئہ: ارجاء سے بنا ہے، ارجاء کا معنی تاخیر ہے، کہا جاتا ہے ''ارجأ الامر'' اس نے کام کو موخر کر دیا، دیکھئے: القاموس ۵۱، اور مرجئہ انہیں کہتے ہیں جو اعمال کو ایمان سے موخر رکھتے ہیں اور ایمان میں کمی زیادتی کے قائل نہیں ہیں.. دیکھئے: الفرق بین الفرق للبغدادی: ۱۶۰، الملل والنحل للشھرستانی)

مرجئہ کے چار فرقے ہیں:

۱- ''مرجئہ جہمیہ'' یہ غالیوں میں بھی غالی ہیں، ان کے نزدیک ایمان صرف قلبی معرفت کا نام ہے، گو انسان اپنی زبان سے کفر ہی کیوں نہ ظاہر کرتا ہو، لہٰذا شیطان، فرعون، قارون، ہامان اور ان جیسے لوگ ان کے نزدیک مومن شمار ہوتے ہیں۔ (دیکھئے: مقالات الأشعری: ۱۳۲، ۲۷۹، تحقیق ریٹر)۔

۲- ''مرجئہ کرامیہ'' یہ لوگ غالی ہوتے ہیں، ان کے نزدیک ایمان ''محض زبانی اقرار'' کا نام ہے، اس لئے منافق بھی ان کے نزدیک دنیا میں مومن ہے، مگر وہ آخرت میں دائمی جہنمی ہے۔ (دیکھئے: مقالات الأشعری ۱۴۱، تحقیق ریٹر، الفرق بین الفرق: ۲۱۲، الایمان لشیخ الاسلام ۱۲۶، شرح الطحاویۃ/لابن أبی العز: ۲۷۳)

۳- ''مرجئہ ماتریدیہ وأشاعرہ'' ان کے یہاں بھی ایک قسم کا غلو پایا جاتا ہے، چنانچہ ایمان ان کے نزدیک ''فقط قلبی تصدیق کا نام ہے'' رہے اقرار باللسان اور اعمال تو وہ نہ ایمان کا جزء ہیں نہ شرط، البتہ فقط دنیاوی احکام کے اجرا کے لئے زبانی اقرار شرط ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے دل میں تصدیق کرتا ہو مگر زبانی اقرار نہ کرے تو بھی وہ اللہ کے نزدیک مومن ہے نجات پانے والا ہے۔ (شرح العقائد النسفیۃ ۱۲۱، بحرالرائق: ۱۱۹/۵، الجوھر المنیفۃ فی شرح وصیۃ الإمام أبی حنیفہ: ۳، شرح الطحاویۃ للبایرتی: ۱۱۷)

۴- ''مرجئہ فقہا'' مثلاً: امام ابوحنیفہ، صاحبین اور طحاوی جیسے ائمہ۔ ان کے نزدیک ایمان قلبی تصدیق اور زبانی اقرار کا نام ہے، اور عمل ایمان سے خارج ہے، ان کا ارجاء خفیف ہے۔ (دیکھئے شرح عقیدۃ الطحاویۃ لابن أبی العزالحنفی: ۲۷۳)

اور شاید ان لوگوں نے اس سے رجوع بھی کر لیا تھا، مرجئہ کے فرقوں کی معرفت کے لئے مقالات الاشعری: ۱۳۲، ۱۴۱، تحقیق ہیلمٹ ریٹر اور کتاب الایمان ابن مندہ تعلیق شیخ علی بن ناصر فقیہی وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔

د- ''شیعہ احناف''

ھ- ''زیدیہ احناف''

و- ''کرامیہ مشبہہ احناف''[1]

[1] (یہ غالی مرجئہ کا ایک فرقہ ہے جو اپنے امام محمد بن کرّام سجستانی (۲۵۵ھ) کی طرف منسوب ہے، دیکھئے: مقالات الأشعری:۱۴۱، تحقیق ریٹر، الفرق بین الفرق: ۲۰۲، البدایة والنهایة:۱۱/۱۲، لسان المیزان:۵/۳۵۳-۳۵۶)

ان کے عقیدے کے متعلق شہیر محمد مختار نے ''التجسیم عند المسلمین'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس کا مراجعہ کیجیے بالخصوص: ۴۴-۴۵ دیکھیں)

کرّامیہ سب کے سب مجسمہ ہیں، اور فروع میں سارے کے سارے احناف ہیں، اور اسی سے امام ابن تیمیہ نے اس عبرت ناک تاریخی مناظرے میں ماتریدی واشعری مخالفین کا ناطقہ بند کردیا تھا جو ''العقیدة الواسطیة'' کے گرد ہوا تھا۔ (دیکھئے: العقود الدریة/ لابن عبدالهادي: ۱۵۷، والکواکب الدریة / للمرعی: ۱۲۱، مجموع الفتاوی ۳/۱۸۵) اور کرّامیہ مُشَبِّهَه کا حنفی ہونا ایک واقعی حقیقت ہے، یہاں تک کہ احناف نے بھی اس کا اعتراف کیا، اسی لئے ان کے شاعر ''ابوحاتم علی بن محمد بستی'' (۴۰۱ھ) نے کہا:

الرأي رأي أبي حنيفه وحده

والدين دين محمد بن كرام

رائے تو صرف ابوحنیفہ کی رائے ہے اور دین بس محمد بن کرّام کا ہے۔

بعض مراجع میں: ''الفقه فقه أبي حنيفة...'' لکھا ہے۔

(دیکھئے: طبقات الشافعیة: ۲/۳۰۵، للسبکي، اور شرح المواقف / للجرجانی الحنفی: ۸/۳۹۹)

مگر کوثری صاحب کی بیماریوں کا کوئی علاج نہیں ہے کہ وہ اپنی کسی مخفی غرض کی وجہ سے حقائق کا انکار کرتے ہیں، دیکھئے: ابو مظفر اسفرائینی کی ''التبصیر في الدین'' ۶۹ پر ان کے حاشیے۔

ز- مریسی احناف:[1]

[1] (جیسا کہ گزر چکا ہے کہ بشر مریسی صاحب کا اسلام میں فلسفیانہ اور باطل عقائد وافکار کے داخل کرنے میں بڑا کردار تھا۔ بہت سے اساطین اشاعرہ ابن فورک وغیرہ ان سے متاثر تھے، تو پھر احناف کے تاثر کا کیا کہنا! یہ صاحب سجدوں میں سبحان ربي الأعلى والأسفل پڑھا کرتے تھے جو ان کے الحاد کی دلیل بیّن ہے۔ (شرح الفقه الاكبر للقاری ۱/۲۷۱ بحواله الماتريدية للأفغاني: ۲/۲۶۶)

ح- صوفی یا متصوف[1] احناف:

[1] (جو شخص مقربین کے مقام سے آگاہ ہوا وہ متصوف ہے اور جس کے اندر مقربین کی حالت کامل ہوگئی وہ ان کے نزدیک صوفی ہوتا ہے، دیکھے: عوارف المعارف للسهروردی: ۴۷، اور الرسالة القشيرية: ۲/۵۵۰)

اس کے تحت چاروں مشہور ومعروف سلسلوں کے اصحاب آجاتے ہیں[2]، وہ سلسلے حسب ذیل ہیں:

[2] (سارے ماتریدی دیوبندی احناف ان سلسلوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی طرف انتساب رکھتے ہیں دیکھئے: المهند: ۲۹-۳۰)

۱- سلسلۂ قادریہ:

یہ سلسلہ شیخ وامام عبدالقادر بن ابوصالح بن عبداللہ جیلی بغدادی حنبلی ۵۶۱ھ کی طرف منسوب ہے، جبکہ وہ خود صفات میں سلفی العقیدہ تھے۔ (دیکھئے: ان کی کتاب: ''غنیة الطالبین'' بالخصوص ۱/۶۳ اور ابن رجب کی ذیل طبقات الحنابلة: ۳/۲۹۰-۳۰۱)

ان کی طرف بہت سی خرافات منسوب کی گئی ہیں اور اس سلسلے کے اندر بھی بہت سی دیومالائی قسم کی چیزیں موجود ہیں، اس سلسلے

کی ترقی کی معرفت کے لئے مولانا عبدالحی حسینی صاحب کی ''الثقافة الاسلامية'' ۱۷۹-۱۸۰ کا مطالعہ کیجئے۔ یہ بزرگ اللہ کے سوا پوجے بھی جاتے ہیں۔

۲- چشتیہ :

یہ سلسلہ خواجہ معین الدین حسن بن حسن سجزی چشتی ۶۲۷ھ کی طرف منسوب ہے، ان کے حالات زندگی نزهة الخواطر ۱/ ۱۰۴ میں موجود ہیں، اس سلسلے کا مدار، ذکر جھری، شیخ سے قلبی ارتباط، دوام صیام وقیام، کم گوئی، کم خوری، اور کم خوابی وغیرہ بدعتوں پر ہے اور یہی وہ پہلا سلسلہ ہے جو اہل ہند میں رائج ہوا تھا'' اس کی بھی متعدد شاخیں ہیں۔(دیکھئے: ''الثقافة الإسلامية'': ۱۸۰-۱۸۱) اور یہ سلسلہ بدعتوں کی آماجگاہ ہے۔ خواجہ اجمیری صاحب کی قبر ہندوستان کے شہر اجمیر میں واقع ہے جہاں بت پرستی کے تمام مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں۔

۳- سہروردیہ :

یہ سلسلہ ابوحفص شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی شافعی شاگرد امام عبدالقادر جیلانی کی طرف منسوب ہے جن کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی تھی۔ دیکھئے: وفيات الأعيان: ۳/ ۴۴۶-۴۴۸، طبقات الشافعية / للاسنوي: ۲/ ۶۳-۶۴، یہ سلسلہ بھی بدعتوں سے لبریز ہے۔

۴- نقشبندیہ :

یہ سلسلہ خواجہ بہاالدین محمد بن محمد بخاری ۷۹۱ھ کی طرف منسوب ہے، (دیکھئے: الفوائد البهية / لعبدالحي اللكنوي: ۱۳۰-۱۳۱، حاشيه، بدية العارفين: ۲/ ۱۷۳، معجم المولفين لكحالة: ۸/ ۲۷۱-۲۷۲) بیشتر احناف اس سلسلے سے مربوط ہیں، جبکہ یہ خرافات اور خود پسندی سے بھرا ہوا ہے، (دیکھئے: شیخ عبدالرحمان دمشقیہ کی ''النقشبندية'')۔

نقشبندی سلسلے کی مختلف شاخیں ہیں جو دنیا کے مشرق ومغرب بالخصوص دیار ہندوستان وخراسان وماوراء النہر اور ترکوں اور تاتاریوں میں پھیلی ہوئی ہیں، (دیکھئے: الثقافة الإسلامية: ۱۸۲-۱۸۳، للشيخ عبدالحي حسيني)۔

حلولیہ [1] اور اتحادیہ کا تعلق بھی صوفیاء ہی سے ہے اور یہ دونوں فرقے غالی ملحدوں اور زندیقوں میں سے ہیں۔

[1] (حلولیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات میں حلول کر گیا ہے۔ اور اتحادیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر شئی عین ''اللہ'' ہے۔ لہٰذا حلولیہ کا کفر اتحادیہ سے کمتر ہے۔ دیکھئے: حقيقة مذهب الاتحاديين: ۴-۵ اور مجموعة الرسائل والمسائل: ۴/ ۶)

ط- قبوری احناف:

یہ لوگ سنگین ترین بدعتوں کے مرتکب ہیں، مختلف قسم کی خرافات انجام دیتے ہیں، قبر والوں کے لئے منتیں مانتے ہیں، مصیبتوں میں ان سے فریاد کرتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ غیب جانتے ہیں، ان کے متعلق تصرف کے قائل ہیں، قبروں پر قبے اور مسجدیں بنانا جائز ٹھہراتے ہیں، اور ''توسل'' ''ولایت'' اور ''کرامت'' کی آڑ میں ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے اور ان کا حج کرنے کو بھی روا گردانتے ہیں۔

احناف کے دو معروف قبوری گروہ ہیں:

۱- بریلوی حضرات جن کے یہاں وثنیت کے مظاہر کھلے طور پر پائے جاتے ہیں۔

۲- دوسرے کوثری حضرات ہیں۔ یعنی محمد زاہد کوثری، چرکسی ۱۳۷۱ھ اور ان کے ماننے والے کوثری حضرات، کچھ دیوبندی حضرات بھی اسی گروہ میں شامل ہیں۔

ی- ماتریدی احناف:

● اس طرح گروہوں میں بٹے ہوئے یہ احناف بڑی تعداد میں امام ابوحنیفہ کی راہ سے بالخصوص اور سلف امت کے

طریقے سے بالعموم برگشتہ اور منحرف ہوگئے حتی کہ ماتریدی احناف بلکہ کوثریوں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ (دیکھئے: الرفع والتکمیل، از علامہ عبدالحي لکھنوی ۱۷۸-۱۸۰، تحقیق ابوغدہ ط/اول ۱۳۸۲ھ حلب، ابوغدہ نے بھی اسے تسلیم کیا ہے)۔

● ان میں سے امام ابوحنیفہ اور صاحبین کی کامل پیروی سنی احناف کے سوا کسی نے نہیں کی ہے۔

یا علامہ عبدالحی لکھنوی ۱۳۰۴ھ کے الفاظ میں ''سلفی احناف'' یا ''کامل احناف'' کے سوا کسی نے نہیں کی ہے۔ (حوالہ مذکور ۱۷۸ط/۱۸۵ ۳ط/۳)

احناف کے منحرف ہونے کے اسباب:

طریقۂ سلف بالخصوص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عقیدے سے بہت سے احناف کے منحرف اور برگشتہ ہوجانے کے متعدد اسباب ہیں جن میں سے تین کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

۱- امام ابوحنیفہ نے شروع میں علم کلام کا اشتغال رکھا اور اس میں اس قدر معرفت بہم پہنچائی کہ ان کی جانب انگلیوں سے اشارے کئے جانے لگے، یہ بات احناف کے یہاں متواتر طور پر منقول ہے۔ (دیکھئے: تاریخ بغداد: ۱۳/ ۳۳۳، اصول الدین للبغدادی ۳۰۸، الفرق بین الفرق للبغدادی ۲۲۰، مناقب ابی حنیفه للموفق مکی ۵۱، ۵۴، ۷۴ وغیرہ)

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی اور انھوں نے علم کلام سے رجوع کرلیا اور کلام واہل کلام کی مذمت میں اپنی وہ مشہور بات کہی جو دلوں کی تختیوں پر آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، جس میں ماتریدیہ کے لئے بڑی عبرت ہے۔ (اس بات کو موفق مکی نے مناقب ابی حنیفہ: ۵۵ میں روایت کیا ہے، دیکھئے: کشف الأسرار شرح اصول البزدوي ۱/ ۱۰)

مگر یہ احناف علم کلام میں اس قدر منہمک ہوئے کہ ان کے اندر بہت سی اعتقادی آفتیں اور بلائیں درآئیں۔

۲- جہمیت اور اعتزال کے بہت سے اساطین اور سربراہ احناف ہی میں سے تھے، حتی کہ اس کا اعتراف خود ماتریدیہ بلکہ کوثریوں کو بھی ہے۔

ان بڑوں سے بہت سے لوگوں نے دھوکے کھائے، انہیں کا سکہ بازار میں چل پڑا، اور انہیں اکابرین کی راہ سے جہمیت کی تحریفات ماتریدیوں اور ان کے اشعری رفقاء کے یہاں داخل ہوگئیں۔

۳- قدیم وجدید میں بیشتر احناف کا اشتغال علوم حدیث کے ساتھ بہت کم رہا ہے، ان پر قیاس ورائے ہی کا غلبہ رہا ہے، یہ حضرات احادیث وآثار کے تتبع کے بغیر استباط اور نظیر کو نظیر پر محمول کرنے کا اہتمام ہی کرتے چلے آئے ہیں، اس لئے خود ان کے اعتراف کے مطابق ان کا لقب اہل الرائے پڑ گیا ہے۔ (دیکھئے: شاہ ولی اللہ کی حجة الله البالغة ۱/ ۱۶۱ اور الانصاف: ۸۴ اور لکھنوی کی النافع الکبیر: ۹)

اسی لئے بہت سے اہل بدعت اور ہوا پرستوں نے انہیں اپنی ترکتا تازیوں کا بہترین میدان سمجھا اور یہاں اپنی کاشت کے لئے انہیں زرخیز زمین نظر آئی، یہ سلسلہ ماتریدی پھر ماتریدیت تک پہنچا اور آج تک دراز ہوتا چلا آیا ہے۔

■ **اسلام میں باب اسماء وصفات کی اہمیت:**

اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف سے بلا کیفیت ومثال اور بلا تحریف وتعطیل موصوف کرنا جن سے اس نے خود اپنی ذات کو موصوف کیا ہے یا اس کے رسول نے موصوف کیا ہے۔ اور اس کی اہمیت کو محسوس کرنا دین کے یقینیات وضروریات میں سے ہے۔

● باب صفات باری تعالیٰ اسلام کے اہم ترین ابواب، اشرف ترین معارف الٰہیہ اور عظیم ترین علوم میں سے ہے۔

● اخبار کی یہ قسم جملہ اقسام کی خبروں سے اشرف ترین ہے، اس پر ایمان دیگر چیزوں پر ایمان کی اصل ہے، اس لئے کہ کامل ومکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حصول اس وقت تک ممکن

نہیں جب تک اس کے اسماء وصفات اور مخلوق میں اس کے افعال کی معرفت نہ حاصل کر لی جائے، اور ان اسماء وصفات اور افعال پر ایمان اور ان کے اقرار کے مراحل سے گزر نہ جایا جائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اپنے بندوں سے انہیں کے ذریعہ متعارف کرایا ہے۔

باب اسماء وصفات باری تعالیٰ کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ رسولوں نے ابدان کے معاد (انسانوں کے دوبارہ زندہ کئے جانے) کے بیان سے زیادہ ان کا بیان کیا ہے اور ان کے متعلق خبریں دی ہیں۔

- اسی لئے تورات اثبات صفات سے پر ہے۔
مگر معاد کا ذکر اس میں بھی اس پیمانے پر نہیں ہے۔
- قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور افعال کا ذکر جنت میں کھانے پینے اور بیویوں کے میل ملاپ سے زیادہ کیا گیا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر مشتمل آیات معاد کی آیتوں سے زیادہ قدر ومنزلت کی حامل ہیں۔
- میزان، شفاعت اور حوض کے مقابلے میں قرآن وحدیث کی دلالتیں ان پر عظیم تر اور زیادہ ہیں، اور نصوص اسماء وصفات کے مقابلے میں شرعی مسائل اور معاد سے متعلق نصوص میں تحریف کا داخلہ نسبتاً زیادہ آسان ہے، اس لئے اگر اسماء وصفات کا باب بھی تاویل کی دستبرد سے محفوظ نہ رہے تو پھر شرعی مسائل اور معاد کے ابواب میں تو ان کا عمل دخل بڑی تیزی کے ساتھ راہ پا سکتا ہے۔ اور شرعی مسائل اور معاد سے متعلق نصوص میں تاویل عقلی اعتبار سے صفات میں تاویل کے مقابلے میں زیادہ بعید نہیں ہوگی۔
- جب باب اسماء وصفات کا اہمیت میں یہ درجہ ہے تو پھر اس کی ضد یعنی تعطیل کی سنگینی بھی فزوں تر ہوگی۔
- اسی لئے جب جہمیت کے اعتقادات پہلے پہل سامنے آئے تو اس امت کے سلف صالحین اور ائمہ سنت بری طرح چونک اٹھے، ان لوگوں نے ان باتوں کو یہود ونصاری اور مشرکین کی باتوں سے بھی زیادہ قبیح اور خطرناک سمجھا، سب کے سب اس کے خلاف ایک زبان ہو گئے، متحدہ طور پر اس کے خلاف محاذ آراء ہوئے اور انہیں آڑے ہاتھوں لیا۔
- ان کے ماننے والوں کو انھوں نے بلا کسی رو رعایت صاف صاف کافر کہا اور یہ فیصلہ سنایا کہ یہ لوگ ملحد وزندیق ہیں۔

■ چند کلمات ماتریدیہ کی ضرر رسانیوں کے متعلق:

انتہائی افسوسناک اور بیک وقت ہنسی وماتم کی بات یہ ہے کہ اگلی جہمیت کے بہت سے سنگین اور قبیح ترین عقائد جن کی وجہ سے امت کے سلف صالحین اور ائمہ سنت نے ان جہمیوں پر کفر وزندیقیت اور الحاد کے فتوے لگائے تھے وہ ماتریدی احناف اور کلابی اشاعرہ کے یہاں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ انھوں نے:

- بہت سی صفات کو معطل کر دیا اور ان کے نصوص میں تاویلیں کیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے علو (اس کے اوپر ہونے) کی بھی نفی کر دی اور کہا:

''اللہ نہ عالم کے اندر ہے نہ باہر ہے، نہ اس سے متصل ہے نہ جدا ہے، نہ عالم کے اوپر ہے نہ اس کے نیچے، نہ اس کے دائیں ہے نہ بائیں، نہ پیچھے ہے نہ آگے''۔

اس طرح انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو معدوم محض بلکہ خالص ممتنع بنا دیا۔

- ''خلق قرآن'' کا بدعتی عقیدہ اپنا لیا۔
اسی طرح ''اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ'' کے مخلوق ہونے کے بھی قائل ہوئے۔
- ''کلام نفسی'' کی بدعت کا عقیدہ بھی اس پر مستزاد کیا۔

ایسی حرکتوں کا ارتکاب کیا جن کی تائید نہ عقل صریح سے ہوتی ہے نہ نقل صحیح سے، نہ اجماع بنی آدم اور فطرت سلیمہ ہی اس کی مؤید ہیں، نہ عربی لغت اور عرف ہی اس کے حامی نظر آتے ہیں۔

دیگر عقائد باطلہ واز کار رفتہ، اور کھوٹی اور فاسد آراء بھی مزید در مزید ان کے نامۂ اعمال میں درج ہیں، ان سب کے متعلق ان کا گمان یہی ہے کہ یہ اسلامی عقائد اور امام ابوحنیفہ کا سنی طریقہ ہے۔

حالانکہ ان میں سے کچھ عقائد تو امام ابوحنیفہ کے یہاں بالخصوص اور عام سلف کے یہاں بالعموم کفر ہیں۔

● جہاں تک سلفی عقائد کی بات ہے تو ان کے متعلق ان حضرات کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ سب تشبیہ وتجسیم ہے۔

● کوثری، کوثریوں اور کچھ دیوبندیوں نے تو جھوٹ، افترا پردازی، غلو و بہتان اور ظلم وعدوان کی ساری حدیں توڑ دی ہیں؛ اور صاف صاف یہ کہہ دیا ہے کہ (سلف صالحین) کے یہ عقیدے وثنیت اور شرک وکفر ہیں۔

اسی طرح انھوں نے سلف کی کتب عقیدہ پر وثنیت اور شرک و کفر کی کتابیں ہونے کا حکم لگایا ہے۔

● ان میں سے بہت سے لوگوں نے کبار ائمہ اسلام کو قبیح ترین صلواتیں سنائی ہیں اور گندی گندی گالیاں دی ہیں۔

● بلکہ تجسیم وتشبیہ کی تہمت تو ایک طرف رہی انہیں کفر وشرک اور وثنیت کا مجرم ٹھہرایا ہے۔ اور آفت پر آفت تو یہ ہے کہ انھوں نے یہ کام اہل سنت کے لبادے میں کیا ہے۔

● بلکہ آگے بڑھ کر یہ دعویٰ ٹھونک دیا ہے کہ اہل سنت کی نمائندگی وہی کرتے ہیں اور وہی فرقۂ ناجیہ ہیں۔

● جو لوگ ان کی حقیقت سے آگاہ نہیں وہ سب ان کے جھانسے میں آگئے، اور ان کے (جبہ ودستار اور سبحہ واوراد) سے بہت سے مسلمانوں نے دھوکا کھایا، پھر بات بہت آگے بڑھ گئی، سانحہ عظیم تر اور گہرا ہوتا گیا، وادیوں نے بستیوں کو نگل لیا، مخلوق میں بلا عام ہوگئی حق وباطل خلط ملط ہوگئے اور بھلے برے کی تمیز مٹ گئی۔

مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ائمہ سنت کو توفیق دی اور وہ اسی طرح اشاعرہ کی گھات میں رہے جس طرح انھوں نے اگلی جہمیت کی راہ مسدود کر دی تھی۔

● انھوں نے ان کی حقیقت سے پردہ اٹھا دیا اور اشتباہ زائل ہوگیا، آفت کم ہوئی، راہ صواب نمایاں ہوگئی اور حق اپنے ٹھکانے لگا، مگر انھوں نے اپنی توجہ کی باگ اس طرح ماتریدیہ کی طرف نہیں موڑی جیسی انھوں نے ان کے رفیق اشاعرہ کی تردید میں ایڑ لگائی تھی، ممکن ہے اس کا سبب یہی ہو کہ انھوں نے اشاعرہ کی تردید کو (بیشتر امور میں اشتراک کی وجہ سے) ماتریدیہ کی تردید کے لئے بھی کافی سمجھا ہو، اور یہ خیال کر لیا ہو کہ جن چیزوں سے اشاعرہ پر حجت قائم ہوگئی ہے انہیں سے ماتریدیہ بھی مغلوب ومحجوج ہیں، اس لئے انھوں نے اشاعرہ کی تردید پر ہی اکتفا کیا۔

● البتہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے مولفات کی فہرست میں ایک رسالہ ''رسالة عقيدة الأشعرية وعقيدة الماتريدي وغيره من الحنفية'' کے نام سے موجود ہے جو تقریباً پچاس ورقوں پر مشتمل ہے [1] مگر مخطوطات یا مطبوعات میں کہیں اس کا نام ونشان ابھی تک نہیں پایا گیا ہے۔

[1] (دیکھئے: اسماء مؤلفات شيخ الاسلام/لابن القيم: ۲۳)

اگر وہ منظر عام آتا تو اس کی اپنی ایک الگ ہی شان ہوتی۔

● الغرض ماتریدیہ کا معاملہ بہت سے لوگوں پر مستور ہی رہا، اور وہ ان سے دھوکا کھاتے رہے، ہاں خالص اہل سنت کے محققین کی نگاہوں سے ان کا حال مخفی نہیں رہا، جو تمام فریبیوں کی تلبیس اور مدلسین کی تدلیس سے پوری طرح آگاہ ہوتے ہیں۔

(ان شاء اللہ جاری ہے)

احکام ومسائل

حضرت ابراہیم کی زندگی ہمارے لیے اسوہ کیوں اور کیسے؟

ابوابراہیم کمال الدین سنابلی بدایونی

اللہ تعالیٰ نے بیشمار انبیاء و رسل اس دنیا میں بھیجے، جن کا مقصد تھا لوگوں کو اللہ کی وحدانیت کی طرف بلانا اور طاغوت کی عبادت سے بچانا۔

بیشمار انبیائے کرام میں سے کچھ کے نام اللہ نے قرآن میں بتائے، کچھ کے حالات زندگی تفصیلی طور پر بیان کیے۔

انہیں انبیاء میں سے ایک نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوں تو تمام انبیاء کرام سے رشتہ ہے کہ ہم سب پر ایمان لاتے ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ تعلق انتہائی خصوصی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے تعلق سے فرمایا: (قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ إِلَّا قَوْلَ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ) بیشک تمہارے لیے ابراہیم میں بہترین اسوہ ہے" (سورۃ الممتحنہ، آیت نمبر:4)

یوں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی ہمارے لیے اسوہ ونمونہ اور مثالی ہے لیکن آیئے آپ کی زندگی کے بعض اہم پہلوؤں کا تذکرہ کیا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں دو چیزیں ہمیں بہت اہم ملتی ہیں:

1-توحید کی دعوت 2-صبرواستقامت

1-توحید کی دعوت:

الف-اپنے باپ سے آغاز دعوت:

حضرت ابراہیم ایسے ماحول میں آنکھیں کھولتے ہیں کہ آپ کی پوری کی پوری قوم بتوں کی پجاری تھی، خود حضرت ابراہیم کا باپ آزر اپنے ہاتھوں سے پتھروں کو تراشتا، انہیں ایک جسمانی شکل دیتا، ان کے نوکِ پلک سنوارتا اور پھر ان مجسموں کو خود بھی پوجتا اور قوم والوں کو بھی بیچ دیتا کہ لو میں نے تمہارے لیے تمہارے ان خداؤں کو اپنے ہاتھوں سے بہت اچھے ڈھنگ سے بنایا ہے، ان کی عبادت کرو۔

حضرت ابراہیم سمجھدار ہوئے تو دیکھا کہ میرا باپ اپنے ہاتھوں سے پتھروں کو تراش کر مورتیاں بناتا ہے، کچھ دیر پہلے جن کی حیثیت محض ایک پتھر کی تھی، میرا باپ ان کا مجسمہ بنا کر پتھر سے انہیں دیوتا اور خدا کے عہدے پر ترقی دے دیتا ہے، واہ!

چنانچہ اللہ کے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرضِ منصبی کو نبھاتے ہوئے دعوتِ توحید کا آغاز کیا اور اس کی شروعات اپنے گھر سے کی، قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کو دعوت توحید دینے کا اس انداز میں ذکر ہوا ہے:

(إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ يٰٓأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا) (مریم، آیت نمبر:42)

" جب حضرت ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے والد! آپ ایسوں کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سن سکیں، نہ دیکھ سکیں اور نہ آپ کو کوئی فائدہ پہونچا سکیں" (مریم، آیت نمبر 42)

(يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا) (مریم، آیت نمبر:43)

" اے میرے والد! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، لہذا آپ میری پیروی کریں، میں آپ کو بالکل سیدھی راہ دکھاؤں گا" (مریم: آیت نمبر:43)

(يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا) (مریم، آیت نمبر:44)

" اے میرے والد! آپ شیطان کی عبادت نہ کریں، بیشک شیطان تو رحمن کا نافرمان ہے" (مریم، آیت نمبر:44)

(يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا) (مریم، آیت نمبر:45)

" اے میرے والد! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ پر رحمن کا عذاب نہ آجائے، پھر آپ شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں" (مریم، آیت نمبر:45)

ب-پوری قوم کو دعوتِ توحید:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کیا، پھر پوری قوم کو سمجھایا، آپ کی قوم بت پرستی پر ایمان لائی ہوئی تھی، بتوں کی پوجا کرتے، بتوں کے سامنے جھکتے اوران کے اردگرد تبرکاً وعبادۃً بیٹھے رہتے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو مخاطب کر کے کہا:

(إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ) (سورۃ الانبیاء، آیت:52)

" جب حضرت ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: ان مجسموں کے جو تم مجاور بنے ہوئے ہو یہ کیا ہیں" (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر:52)

(قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ) (سورۃ الانبیاء، آیت:53)

" قوم والوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو انہیں کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے" (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر:53)

(قَالَ لَقَدْ كُنتُمْ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ) (سورۃ الانبیاء، آیت:54)

" حضرت ابراہیم نے کہا: تحقیق کہ تم بھی گمراہ اور تمہارے باپ دادا بھی گمراہ تھے" (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر:54)

(قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ) (سورۃ الأنبیاء، آیت:55)

" انہوں نے کہا کیا آپ واقعی حق بیان کر رہے ہو، کہیں مذاق تو نہیں کر رہے" (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر:55)

(قَالَ بَل رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَىٰ ذَٰلِكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ) (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر:56)

" حضرت ابراہیم نے کہا: بیشک تمہارا رب وہ ہے جو آسمان و زمین کا رب ہے، جس نے ان کو پیدا کیا، میں تو اسی بات کا گواہ اور قائل ہوں" (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر:56)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسلوب دعوت سے پتہ چلا کہ پہلے اپنے قریبی لوگوں کے سامنے دعوت توحید پیش کرنا ہے لیکن اگر وہ نہ قبول کریں تو ایسا نہیں کہ آپ خاموش ہو کر بیٹھ جائیں کہ جب یہ قبول کرلیں گے تب آگے بڑھونگا، نہیں، بلکہ وہ قبول کریں یا نہ کریں، آپ اپنی دعوت کا دائرہ بڑھاتے جائیے۔

2-صبر واستقامت:

الف-باپ سے قطع تعلق:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے باپ کو سمجھایا اور

پتھروں کی عبادت کے بجائے ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا تو باپ نے اپنے رسول بیٹے کی بات پر غور وفکر کرنے کے بجائے پتھر مار مار کر جان سے مارنے کی دھمکی دی، نیز خود سے الگ ہو جانے کو کہا، حضرت ابراہیم نے اس موقع پر باپ کے رشتے پر توحید کی محبت کو ترجیح دی اور "سلام علیک" کہہ کر الگ ہو گئے، حضرت ابراہیم کے اس طرزِ عمل سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ توحید راہ ایمان میں روڑا بننے والے رشتوں کی قربانی دینا گوارہ کرتے ہیں لیکن توحید گنوانا پسند نہیں کرتے۔

ب۔توحید کی خاطر ہر ظلم سہنے کو تیار:

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی اور قوم اپنے شرک پر مُصر رہی تو حضرت ابراہیم کسی ایسے موقعے کی تلاش میں لگ گئے کہ جس سے قوم پر کھلم کھلا ظاہر ہو جائے کہ پتھر کے یہ بت خدا نہیں ہیں، لہٰذا حضرت ابراہیم نے اپنے ذہن میں ایک حکمت عملی تیار کر لی۔

مشرکین کے لیے میلے ٹھیلے کی رسم بہت پرانی ہے، لہٰذا ان لوگوں کا بھی ایک میلے ٹھیلے کا دن تھا جسے وہ اپنے تیوہار کے روپ میں مناتے تھے، جب وہ دن آیا اور پوری قوم باہر میلے ٹھیلے میں جانے لگی تو انہوں نے حضرت ابراہیم سے بھی پوچھا کہ کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں چلیں گے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ذہن میں تیار کی ہوئی حکمتِ عملی کے تحت جواب دیا "إني سقيم" یعنی میں بیمار ہوں، (الصافات:۸۲) اور اس طرح سب لوگ چلے گئے، تنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام رہ گئے۔

جب حضرت ابراہیم مطمئن ہو گئے کہ سب لوگ جا چکے ہیں تو وہ اٹھے اور بتوں کے باڑے میں گئے، پھر تمام بتوں کو ریزہ ریزہ کر ڈالا سوائے سب سے بڑے بت کے (یعنی سب سے اعلیٰ کو چھوڑ دیا)، اور واپس اپنی رہائش گاہ پر چلے گئے۔

ادھر جب قوم والے پلٹے تو اپنے معبودوں کی یہ درگت دیکھ کر حیران و پریشان بھی ہوئے اور غصہ بھی، ہمارے بتوں کی یہ درگت کس نے بنائی ہے؟ چھانبین ہوئی، فوراً ان کا شک ابراہیم علیہ السلام پر گیا، کیونکہ ابراہیم ہی تو وہ موحد اعظم تھے جو پتھر کے ان بتوں کی لاچاری بیان کرتے تھے، لہٰذا سر عام آپ کو بلایا گیا تاکہ سب کے سامنے سزا دی جائے اور پھر کوئی آئندہ پتھر کے ان خداؤں کے تقدس کو پامال کرنے کی جسارت نہ کر سکے۔

بھرے مجمع میں ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا گیا "أأنت فعلت هذا بآلهتنا يا إبراهيم" "اے ابراہیم کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت تم نے کی ہے؟" (الانبیاء:۶۲) حضرت ابراہیم نے اپنے ذہن میں جو حکمت عملی تیار کی تھی اسی کے مطابق جواب دیتے ہیں "بل فعله كبيرهم هذا" "بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ سب کیا ہے" (الانبیاء:۶۳) آخر کیا وجہ ہے کہ سب ٹوٹ گئے، صرف یہ بچ گیا؟ بتوں کے اس سردار ہی نے سب کو توڑا ہے، چلو ایسا کروا گر یہ بول سکتے ہیں تو خود ان بتوں ہی سے پوچھ لو کہ انہیں کس نے ریزہ ریزہ کیا ہے۔

آہ! یہ کیا کہہ دیا ابراہیم نے، "انہیں سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہیں"، ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا، مشرک کچھ دیر کے لیے شرمندہ بھی ہوئے لیکن پھر بیشرمی سے بولے "ابراہیم تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں" ابراہیم علیہ السلام کو جیسے اسی موقعے کی تلاش تھی کہ یہ بتوں کے پجاری خود اپنی زبانوں سے اقرار کریں کہ ان کے جھوٹے معبود بول نہیں سکتے، لہٰذا ان کے اعتراف کرتے ہی فوراً ابراہیم علیہ السلام بول اٹھے "پھر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سن سکیں، نہ دیکھ سکیں اور نہ تمہیں کچھ فائدہ پہونچا سکیں"۔

یہ سنکر حضرت ابراہیم کی قوم طیش میں گئی، آخر معبودوں کی بھی عزت کا سوال تھا جس کو حضرت ابراہیم نے خاک میں ملا دیا تھا،

لہذا فوراً اپنی اس روش پر اتر آئے جو ہمیشہ سے اہل باطل کا شیوہ رہی ہے، جب دلائل سے نہ جیت سکو تو شور مچاؤ، مارو، ستاؤ، ظلم کرو، فوراً بولے" ابراہیم کو جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے" لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ دہکائی گئی اور اس میں آپ کو ڈال دیا گیا لیکن" من کان للہ کان اللہ لہ" جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے، چنانچہ اللہ کے حکم سے آگ ابراہیم کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی۔ (حضرت ابراہیم کے اس واقع کو تفصیل سے جاننے کے لئے دیکھیے الانبیاء:۵۱ تا ۷۰)

قارئین! غور کریں کہ ابراہیم علیہ السلام کس طرح ہر ظلم سہنے کے لیے تیار تھے، تن تنہا اپنی پوری قوم کے خلاف ہو گئے، ان کے پتھر کے معبودوں کو پاش پاش کر ڈالا، جبکہ اندازہ تھا کہ یہ کوئی معمولی کاروائی نہیں ہے، بتوں کو توڑنے کا مطلب پوری قوم کو غضبناک کر دینا ہے، لیکن حضرت ابراہیم توحید کی راہ میں ہر ستم سہنے کو تیار تھے اس لیے بغیر کسی خوف کے قدم قدم پر قوم کو للکار رہے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو پتھر کی ان مورتیوں کا معبود ہونا ثابت کرو۔

ج۔لختِ جگر اور شریک سفر کو چھوڑ دیا:

حضرت ابراہیم کی عمر اسّی سال سے زیادہ کی ہو گئی لیکن ابھی گھر میں کوئی اولاد نہیں تھی، عمر کا اتنا حصہ گزر جانے پر لوگ اللہ سے مایوس ہو جاتے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے رب پر کامل یقین تھا کہ وہ میرے آنگن میں ضرور پھول کھلائے گا، چنانچہ دعائیں کرتے ہیں" رب هب لی من الصالحین" "اے میرے رب مجھے نیک اولاد عطا کر دے، (الصافات: ۱۰۰) دعا قبول ہوئی اور آپ کے یہاں حضرت اسماعیل کی پیدائش ہوئی۔

اِدھر گھر کی رونق میں اضافہ ہوتا ہے اور اُدھر حکم الٰہی ہوتا ہے کہ بچے اور بیوی کو مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آؤ۔

آپ کو اندازہ ہے نا کہ اگر اتنے انتظار کے بعد اولاد ملے تو اولاد سے کس قدر محبت ہوتی ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام صبر و استقامت سے کام لیتے ہیں اور بچے کی محبت پر محبت الٰہی کو ترجیح دیتے ہیں اور حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

د۔جوان بیٹے کی قربانی کے لیے ہوئے آپ تیار:

بیوی بچے سے مفارقت کی آزمائش میں جب آپ کامیاب ہو گئے اور بچہ بڑا ہو کر اس لائق ہو گیا کہ آپ کے ساتھ کھیل کود سکے، آپ کے آگے پیچھے دوڑے اور آپ کے بڑھاپے کی لاٹھی بنے تو اللہ رب العالمین کی طرف سے آپ کو ایک اور آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، اور اس بار کا امتحان پچھلی تمام آزمائشوں سے بڑھ کر تھا۔

اللہ کی طرف سے آپ کو خواب دکھایا جاتا ہے کہ آپ اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کر رہے ہیں، بس پھر کیا تھا، آپ فوراً اپنے بڑھاپے کے سہارے جوان بیٹے کو اللہ کی خاطر قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، بیٹے سے مشورہ کیا تو بیٹا بھی خلیل اللہ کا بیٹا تھا، فوراً تیار ہو گئے، لیکن بہر حال اللہ کو باپ کے ہاتھوں بیٹے کا خون تھوڑی چاہیے تھا، اللہ تو آپ کا امتحان لے رہا تھا تاکہ آپ کے درجات بلند فرمائے، سو اسماعیل کی قربانی عمل میں نہیں آئی، اللہ کے حکم سے ان کی جگہ ایک جانور قربان کر دیا گیا۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے: الصافات: ۱۰۲ تا ۱۰۷)

قارئین! ذرا سوچیے! خواب خواب ہی تو ہوتا ہے؟ بیشک انبیاء کرام کے خواب ایک الگ حیثیت رکھتے ہیں لیکن ابراہیم بیٹے کی محبت میں ٹال بھی تو سکتے تھے کہ یہ تو صرف خواب ہے، کوئی صریح حکم نہیں، لیکن باپ بیٹے دونوں نے صبر و استقامت سے کام لیا اور یہ ثابت کر دیا کہ اللہ کی محبت پر تمام محبتیں قربان ہیں۔

❖ ❖ ❖

تزکیہ وتربیت

صحابہ کرام: عظمتوں کے حوالے

سرفراز فیضی : داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

صحابہ کرام: اللہ کا انتخاب

اللہ کے نبی جس دین کو لے کر اس دنیا میں مبعوث کیے گئے اسے قیامت تک کے لوگوں کے لیے فلاح اور نجات کا واحد راستہ بننا تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ یہ دین قیامت تک ظاہری اور معنوی دونوں اعتبار سے محفوظ اور معتبر رہے۔ اس کی حفاظت کے لیے اللہ نے جو انتظامات کیے ان میں سے ایک یہ بھی تھا اللہ رب العزت نے اپنے نبی کو انسانیت کے ذخیرہ سے چنندہ افراد کی رفاقت نصیب فرمائی۔ جن کی عدالت پر اللہ نے اس دین کے اعتبار کی بنیاد رکھی۔ جن کو انسانی تاریخ میں حق و باطل کے درمیان ہونے والی سب سے اہم کشمکش میں حق کا حصہ بننے کی سعادت ملی۔ جن کی قربانیوں نے انسانی تاریخ کا سب بڑا انقلاب برپا کیا جس نے انسانیت کے ایک ایک گوشہ کو اپنی تابنا کیوں سے روشن کیا۔ جن کو اللہ نے اس زمین پر اتاری جانے والی اپنی عظیم ترین کتاب کے شان نزول کا حصہ بننے کے لیے منتخب فرمایا۔ جن کو اس کائنات کی سب سے عظیم ہستی کی شاگردی کے اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔ جن کی قربانیوں نے اس دین عظیم کی بنیادوں کو تقویت بخشی۔ جن کو اللہ نے اپنے عظیم نبی کی عظیم امت کے درمیان واسطہ بنے کا شرف عطا فرمایا۔

صحابہ کا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پیدا ہوجانا، آپ پر ایمان لا کر صحابیت کے عظیم شرف سے مشرف ہوجانا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا۔ یعنی ایسا نہیں کہ کچھ لوگ اتفاق سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوگئے۔ اور اتفاق سے اللہ ان کے زمانہ میں مبعوث کردیے گئے اور اتفاق سے وہ ان پر ایمان لے آئے اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوگئے۔ بلکہ اللہ رب العزت نے ابتداء کائنات سے قیامت تک پیدا ہونے والے سارے افراد میں کمالات انسانی میں فائق ترین لوگوں کو چن کر اپنے محبوب نبی کے رفاقت کا شرف بخشا۔ عبداللہ ابن عباس کی یہ موقوف روایت ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: " إِنَّ اللهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهِ، فَابْتَعَثَهُ بِرِسَالَتِهِ، ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ، فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهِ، يُقَاتِلُونَ عَلَى دِينِهِ، فَمَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا، فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ، وَمَا رَأَوْا سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ سَيِّئٌ ".

عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں اللہ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو سب سے بہترین دل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پایا۔ لہذا انہیں اپنے لیے چن لیا اور اپنا رسول بنا کر انہیں مبعوث فرمادیا۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں کے دلوں کو دیکھا تو سب سے بہترین اصحاب محمد کا دل پایا، تو ان کو اپنے نبی کا ساتھی (وزراء) بنادیا۔ جو اس کے دین کے لیے قتال کرتے ہیں۔ لہذا جس کو (یہ) مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ اور جس کو یہ برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔

(مسند احمد، شیخ شعیب ارناؤط اور ان ساتھی محققین نے اس حدیث کے حسن ہونے کا فیصلہ کیا۔ مسند أحمد ط الرسالۃ 6/84)

صحابہ کرام: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا معجزہ

دنیا کبھی عظیم شخصیات کے وجود سے خالی نہیں رہی ہے۔ انسانی تاریخ کا ہر باب بڑی بڑی انقلابی شخصیات کے عظیم کارناموں سے روشن ہے۔ مختلف زمانوں میں مختلف شخصیتیں اپنے عزم وحوصلہ کی داستانوں سے اس دنیا کو منور کرتی رہی ہیں۔ زمیں کا کوئی نہ کوئی گوشہ ہمیشہ ان کے فیوض و برکات سے فیضیاب ہوتا رہا ہے۔ لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ صحابہ جیسی عظیم شخصیات کا ایک جگہ جمع ہوجانا اپنے آپ میں ایک معجزہ ہے۔ تاریخ کے کسی ایک مرحلہ کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی جہاں ایک وقت میں ایک جگہ پر اتنے سارے عظیم لوگ ایک ساتھ جمع ہوگئے ہوں۔ اسی لیے صحابہ کا کرداراور وہ معاشرہ جو اس کردار کی بنیاد میں وجود میں آیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ایسے اعلیٰ ترین انسانی صفات کے حامل عظیم کردار، پاکیزہ زندگیاں کسی نبی کی تربیت کے نتیجہ ہی میں وجود میں آسکتی ہیں۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں صحابہ کے کرداراوران کی اعلیٰ صفات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ سورہ فتح کی اس آیت میں غور کریں:

(مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا) (سورۃ الفتح:۲۹)

محمد صلی اللہ علہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور جولوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع وسجود، اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی یہ صفت تورات میں بھی بیان ہوئی ہے اور انجیل میں بھی جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اسے مضبوط کیا، کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تا کہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو (خلوص دل سے) ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل (بھی) کیے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت میں مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ایک دعویٰ ہے اور اس کی دلیل ان صحابہ کا کردار ہے جو آپ کے رفقاء تحریک ہیں کہ ان کرداروں کے خوبصورت نقوش رسالت کی نگارش ہی کا نتیجہ ہوسکتے ہیں۔

صحابہ کرام: مسلم معاشرہ کے لیے اسوہ

صحابہ کا معاشرہ اسلامی تربیت کا جیتی جاگتی مثال ہے۔ ان کا کردار نبوی تربیت کی کامیابی کی عملی دلیل ہے۔ صحابہ کا معاشرہ بعد میں آنے والی امت کے لیے اسوہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام اگر اپنی اصلی بنیادوں پر زمین پر قائم ہوگا تو وہ صحابہ کا معاشرہ کی طرح ہوگا۔ اسلام جس طرح ایک فرد کے کردار کی تعمیر کرکے اس کو صالح بناتا ہے اس طرح ایک معاشرہ کو بھی صالح بنانے کے لیے تعمیری ہدایات دیتا ہے۔ جس طرح بحیثیت ایک فرد اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسوہ ہیں ویسے ہی ایک مسلم معاشرہ کے لیے صحابہ کا معاشرہ ایک اجتماعی اسوہ، اور مثالی معاشرہ ہے جو قرآنی ہدایات اور نبوی تربیت کے خوبصورت تعامل کے نتیجہ میں وجود آیا۔

صحابہ کرام کی عدالت دین کی عدالت

صحابہ کرام اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عام سے امتی یا محض اسلام کی ایک نسل نہیں۔ اللہ نے قرآن مجید کو ان کی عظمتوں کا گواہ بنایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رفعتوں کا بیان کیا۔ یہ ساری تعدیل وتوثیق، تعریف وتوصیف محض ان کی قربانیوں کا صلہ اوران کی جدوجہد کی تحسین نہیں۔

صحابہ اسلام کے اولین راوی ہیں۔ان کی عدالت پر اس دین کے اعتبار کی بنیادرکھی گئی ہے۔ان کے کردار کو مشکوک بنا دینے کا مطلب پورے دین کو "معلق" قرار دے دینا ہے۔ان کی عدالت پر چھینٹا کشی سے پورا کا پورا دین مشکوک ہو کر رہ جائے گا۔یہی وجہ کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان محافظین دین کی عدالت کے گرد توثیق وتعدیل کا بہت بڑا احصار قائم کر دیا ہے۔اور کسی مخلص مسلمان کے لیے اس حصار کو پار کرنا جائز نہیں ہے۔

صحابہ کرام: وحی الٰہی جن کا نصاب اور کائنات کا عظیم ترین جن کا شخص استاذ

یہ دنیا کے بہترین طالبان علم ہیں جن کو کائنات کے عظیم ترین استاذ کی شاگردی کا شرف ملا۔تعلیم وتربیت کا نصاب بھی آسمان سے اترنے والی وحی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اکرم ﷺ سے براہ راست اللہ کا کلام سنا،اس کے معانی کو سمجھا، اس کے اجمال کی تشریح جانی،اس کے حلال وحرام کی تعلیم حاصل کی۔ایمان وعمل کی باریکیوں کو جانا۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ پیش آنے والے حادثات کلام الٰہی کا شان نزول بنے۔کبھی ان کے مشوروں کی تائید میں تو کبھی ان کی دعاؤں کے جواب میں قرآن نازل ہوا۔

قرآن سے پہلے ہی انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے ایمان سیکھا۔ ان کے فہم دین کو رسول اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے سنوارا۔اپنی تربیت سے ان کے عقیدے کو مضبوط کیا۔اللہ اور اس کے رسول نے پورا اطمینان کیا کہ جو دین اتارا گیا ہے اسے انہوں نے صحیح طریقہ سے سمجھ لیا ہے۔

عن جندب بن عبداالله رضی االله عنه، قال: كنا مع النبی ونحن فتيان حزاوره، فتعلمنا الايمان قبل ان نتعلم القرآن، تم تعلمنا القرآن فازددنا ايماناً.

جندب بن عبداللہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"نبی کی صحبت میں،ہم نوآموز نوجوان،قرآن سیکھنے سے پہلے ایمان کا سبق لیتے،تب قرآن کا سبق لیتے،اوراس سے ہمارے ایمان میں اور بھی اضافہ ہو جاتا"۔("صحیح سنن ابن ماجہ"(حدیث نمبر ۵۲) شیخ الالبانی نے صحیح قرار دیا ہے۔)

جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر الدر المنثور میں سورہء بقرہ کی آیت یؤتی الحکمہ من یشاء کے تحت طبرانی کی ایک روایت نقل کرتے ہیں:

واخرج الطبرانی فی الاوسط، عن ابن عمر رضی االله عنه، قال: لقد عشت برهه من دهری، وان احدنا يؤتى الايمان قبل القرآن، وتنزل السوره على محمد صلى االله عليه وسلم فنتعلم حلالها وحرامها وما ينبغی ان نقف عنده منها كما تعلمون انتم القرآن، ثم لقد رايت رجالاً يؤتى احدهم القرآن قبل الايمان فيقرا ما بين فاتحه الكتاب الى خاتمته ما يدری ما امره، ولا زاجره، وما ينبغی ان يقف عنده منه، وينثره نثر الدقل۔

"عبداللہ بن عمر کہتے ہیں: میں نے اپنی عمر کا ایک عرصہ یوں گزارا کہ آدمی کو قرآن سکھانے سے پہلے ایمان سکھایا جاتا۔تب محمد ﷺ پر کوئی سورت نازل ہوتی تو ہم اس میں بتائے گئے حلال اور حرام کو سمجھتے اور اس سے جو علم حاصل کیا جانا چاہئے وہ سیکھتے جیسا کہ تم لوگ قرآن پڑھتے پڑھاتے ہو۔مگر اب میں ایسے لوگوں کو بھی دیکھنے لگا ہوں کہ آدمی کو ایمان سے پہلے ہی قرآن پڑھانا شروع کر دیا جاتا ہے۔آدمی فاتحہ سے لیکر آخر تک فرفر قرآن پڑھ جاتا، نہ یہ جانتا ہے کہ قرآن زور کس چیز پر دیتا ہے اور خبردار کس چیز سے کرتا ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ قرآن کے کن پہلوؤں پر غور وفکر کرنا ہے۔بس جس طرح ردی کھجوریں ہر طرف بکھیر دی جاتی ہیں، ویسا سلوک یہ قرآن سے کرتے ہیں۔

❖ ❖ ❖

خصوصی مضمون

اسلام کی کچھ اہم خصوصیات

ایمانداری، امن پسندی، صلح جوئی اور رواداری

محمد مقیم فیضی

(تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ) (القصص:۸۳)

آخرت کا یہ بھلا گھر ہم انہیں کے لئے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے، نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔ پرہیزگاروں کے لئے نہایت عمدہ انجام ہے۔

اسلام میں ظلم وزیادتی اور فساد وسرکشی کی ہر شکل وصورت حرام ہے اور اس نے اگرچہ ان کی دنیاوی سزائیں بھی مقرر کر رکھی ہیں مگر یہاں اس سے بڑا اور اہم کام یہ کیا گیا ہے کہ اسے عقیدۂ آخرت اور ایمانیات سے جوڑ دیا گیا ہے، اسی لئے جب کہیں کوئی کامل اسلامی معاشرہ دستیاب ہوتا ہے تو وہاں کرپشن، ظلم وزیادتی اور فساد نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں، کیونکہ بادشاہ سے فقیر تک ہر آدمی آخرت کے احساس جوابدہی سے سرشار ہوتا ہے، ● حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مشہور مقولہ ہے کہ اگر عراق میں کوئی خچر پھسل کر گر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ عمر تم مسلمانوں کے خلیفہ تھے، تم نے ان کے لئے سڑک کیوں نہیں بنوائی تھی کہ ان کے جانور پھسل کر گر جایا کرتے تھے۔ ● حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب بستر مرگ پر اپنی آخری سانسیں گن رہے تھے تو ان کے ایک چچا زاد ان کے پاس آئے اور کہا کہ امیر المؤمنین آپ اپنے بچوں کو فقیر چھوڑے جا رہے ہیں، آخر آپ اپنے بیٹوں کے لئے کچھ وصیت کیوں نہیں کر جاتے تو انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس کونسا مال ہے کہ میں اپنے بیٹوں کے لئے وصیت کر دوں، کیا آپ چاہتے ہیں میں مسلمانوں کا مال ان کے نام کر جاؤں؟! اللہ کی قسم! مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکے گا، میرے بیٹوں کو میرے پاس لایا جائے، پھر بستر مرگ پر پڑے پڑے انھوں نے اپنے صاحبزادوں کی طرف دیکھا اور رو پڑے، فرمایا: میرے بچو! تمہارے باپ کو دو چیزوں کا اختیار دیا گیا: ایک تو یہ کہ وہ دنیا میں تمہیں فقیر چھوڑ جائے اور جنت میں داخل ہو جائے اور دوسرا یہ کہ وہ تمہیں مسلمانوں کے مال سے سرمایہ دار بنا جائے اور خود جہنم میں جلے، تو تمہارے باپ نے ان شاء اللہ جنت کا انتخاب کر لیا، اور تمہاری شخصیتیں میرے نزدیک دو طرح کی ہیں: پہلی تو یہ کہ تم نیک اور صالح ہو، اس صورت میں یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ صالحین کی نگہبانی اور کارسازی فرماتا ہے، اور دوسری یہ کہ تم غیر صالح ہو تو میں تمہارے لئے وہ چیزیں چھوڑ کر نہیں جانے والا جن سے تم اللہ کی معصیت میں مدد لیتے رہو، اور ان کا سوال اللہ کے سامنے مجھ سے ہو، اب تم سب جاؤ، وہ لوگ چلے گئے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بار بار اسی آیت کی تلاوت فرماتے رہے: (تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ) (القصص: ۸۳) اور اسی میں ان کی روح رب العالمین کی طرف پرواز کر گئی۔

● تاریخ نے اپنے روشن اوراق میں یہ بھی محفوظ رکھا ہے کہ ایک نوجوان لڑکی پانی میں دودھ ملانے سے متعلق اپنی ماں کا حکم ماننے سے اس لئے انکار کردیتی ہے کہ کیا ہوا اگر رات کی تاریکی میں امیر المؤمنین میری اس حرکت کو نہیں دیکھ رہے ہیں مگر اللہ تو اسے دیکھے گا۔

● ادھر بکریوں کا چرانے والا ایک پھٹا حال غلام حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے یہ کہنے پر کہ ایک بکری میرے ہاتھ بیچ دو اور اگر مالک کو ایک بکری کے کم ہونے کا احساس ہو ہی جائے تو اس سے کہہ دینا کہ بکری کو بھیڑیا لے گیا جواب دیتا ہے کہ بڑے میاں مالک سے تو غلط بیانی کرلوں گا پر اللہ کہاں ہے؟

اسی لئے جب جب مسلمان کسی جگہ اقتدار پر فائز رہے اور اسلامی قانون کی بالادستی کے ساتھ انھوں نے حکومت کی وہاں ہمیشہ عدل وانصاف کا بول بالا رہا، اور پبلک خوشحال رہی، مسلمانوں نے باہمی طور پر ہی حسن اخلاق اور اعلیٰ کردار کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ ان کی رحمت اور عدل گستری عام تھی اسی لئے غیر مسلم دانشوروں اور انصاف پسند رائٹروں نے برملا اسلامی تعلیم کی خوبیوں اور مسلمانوں کے اعلیٰ کردار کا اعتراف کیا ہے:

● واشنگٹن ایرفنج اپنی کتاب ''حیات محمد'' کے صفحہ ۳۰۴ پر لکھتا ہے: ''قرآن رحمت، صاف دلی، اور بلند اخلاقی روش کی دعوت دیتا ہے''۔

● معاصر فرانسی اسکالر اور رائٹر جاک ریسلر اپنی کتاب ''الحضارة العربية'' (عربی تہذیب) کے ص ۵۱ / پر قرآن کے متعلق لکھتا ہے کہ:

''وہ تمام قضیوں کا حل پیش کرتا ہے، دینی قانون اور اخلاقی قانون کے درمیان ربط پیدا کرتا ہے، نظام اور اجتماعی وحدت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور محرومیت، سنگدلی اور خرافات کا خاتمہ کرتا ہے.. وہ اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ کمزوروں کی دستگیری کی جائے، وہ حسن سلوک اور نیکیوں کی تلقین کرتا ہے، اور رحمت کا حکم دیتا ہے''۔

● جرمن اسکالر ڈاکٹر الکس لیچٹنسٹن اپنی کتاب ''اسلام اور عصر جدید'' میں لکھتی ہے: یہ سارے احکام سب کیلئے عدل، کمزوروں کے لئے رحمت، نرمی اور احسان پر مبنی ہیں، اور یہی وہ وسائل ہیں جو اللہ تعالیٰ انسان کی نجات کیلئے اس کے ہاتھ پر رکھتا ہے، پھر وہ اپنے اعمال کا اسی طرح اپنے انجام کا بھی ذمہ دار ہے''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں پوری دنیائے انسانیت کے لئے رحمت کا تحفہ بنا کر بھیجا تھا، اسی لئے آپ کی تعلیمات میں جگہ بہ جگہ عام رحمت کا سبق ملتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آپ فرماتے ہیں: تم میں سے جنت میں وہی جائے گا جو رحیم (رحم کرنے والا) ہوگا، لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر آدمی رحیم ہے، آپ نے فرمایا: وہ رحمت نہیں مراد ہے جو آدمی خود پر اور اپنے گھر والوں پر کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ عام لوگوں پر رحم کرے۔ (دیکھئے الصحیحہ للالبانی بحوالہ بیہقی حدیث نمبر ۱۶۷ کے تحت)۔

یعنی جب تک اس کی رحمت عام پبلک کے ساتھ نہ ہو اسے رحیم نہیں گنا جائے گا، اور جو رحیم نہیں ہوگا وہ جنت سے محروم رہے گا۔

اسی طرح آپ نے فرمایا: اللہ رحمان رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے، تم اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ (احمد ۶۲۰۶)

● اسی طرح اسلام امن اور صلح کا داعی ہے اسی لئے جنگ اور تصادم کی حالت میں بھی اسلام نے اپنی تعلیمات اور اپنے ماننے والوں کی سیرت وکردار میں اپنے صلح جویانہ مزاج اور امن پسندی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ اس باب میں اسلامی تعلیمات کی

نمائندگی حسب ذیل نکات میں کی جاسکتی ہے:

۱- اسلام امکانی حد تک تصادم کے بجائے باہمی گفتگو، بات چیت اور تفاہم کو ترجیح دیتا ہے۔

اسی لئے اللہ کے نبی ﷺ نے فتح مکہ کے بعد جیسے ہی راحت کی سانس لی اور انہیں امن نصیب ہوا انہوں نے اپنے دین اور موقف کی وضاحت کے لئے تمام شاہان عالم اور قومی سربراہوں کے پاس اپنے سفراء روانہ کئے جو انتہائی تربیت یافتہ اور سلیقہ شعار تھے اور اخلاق نبوی سے انہیں حصہ وافر ملا تھا، ان کی ترجمانی کا اثر یہ ہوا کہ جہاں چند ایک نے اس پر منفی سلوک کا مظاہرہ کیا وہیں اکثریت نے اس کی خاصی پذیرائی کی اور نبی ﷺ کی ذات وصفات اور تعلیمات پر اچھی خاصی بحث وتحقیق کا سلسلہ شروع ہوگیا، کئی بادشاہوں نے نہ صرف یہ کہ آپ کی باتوں کا شائستہ جواب دیا بلکہ ساتھ ہی ہدیے اور تحفے بھی روانہ کئے، اور ان میں سے کچھ تو مسلمان ہی ہوگئے۔

۲- اسلام نے اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ امن عالم کی طرف زبردست پیش قدمی کی۔ اور اس کی پہل جزیرۂ عرب سے ہوئی جس کو لڑائیوں اور جنگوں نے بری طرح تباہ کر دیا تھا مگر رسول کریم کی تعلیمات اور عملی اقدامات نے انہیں ایک ہمہ گیر اخوت کے رشتے سے جوڑا اور ان کی سفاکیوں اور چیرہ دستیوں کا خاتمہ کر کے سارے معاشرے میں بینظیر امن قائم کر دیا جس کے نتیجے میں ایک خاتون اگر تنہا صنعاء اور حضر موت سے مکہ تک آتی تو اسے اللہ کے سوا اور کوئی خوف نہیں ہوتا تھا۔

● **اسلام میں انسانی جان کی قیمت**

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا) (المائدۃ: ۳۲)

آپ دیکھ رہے ایک آدمی کے ناحق قتل کو اسلام ساری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے اور ایک جان بچانا اس کے نزدیک تمام انسانیت کو زندہ کرنے کے مترادف ہے اور اس میں اس نے مسلم یا غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں کی ہے۔

● **اسلام فسادیوں کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے**

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ○ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ) (البقرۃ: ۲۰۴-۲۰۵)

● اسلام جہاد کی اجازت دینے کی ایک وجہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کو بھی قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ○ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ) (الحج: ۳۹-۴۰)

● تعمیر کعبہ کے موقعے پر حجر اسود کے لگانے کے مسئلے میں قبیلہ قریش کی مختلف شاخوں کے درمیان کھڑے ہونے والے زبردست جھگڑے کا فیصلہ آپ کی حسن تدبیر اور اعلیٰ فہم کے ساتھ طبیعت کی صلح پسندی اور امن دوستی کا بہترین عکاس ہے، اور اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ آپ کے مزاج میں جاہلی عصبیت نام کو نہیں تھی۔

● اسلام کی امن پسندی اور صلح جوئی کے زبردست دلائل وبراہین وہ معاہدے اور صلحنامے بھی ہیں جو نبی اکرم ﷺ

اور مدینہ کے پڑوس میں بسنے والے قبائل کے درمیان طے پائے تھے۔

● صلح حدیبیہ تو اس کا ایک شاہکار نمونہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے خود اپنے مخلص ماننے والوں کے خیال کے مطابق طاقت کے باوجود بہت دب کر صلح کی تھی۔

● اس کا عمدہ نمونہ خیبر کی صلح بھی تھی جس میں آپ نے پورے علاقے کی زمین یہودیوں کے پاس چھوڑ دی تھی اور صرف پیداوار میں سے اپنا حصہ لینے پر راضی ہو گئے تھے۔

۳۔ اثنائے جنگ اور فتح مندی کے عالم میں امن پسندی کے روشن نمونے:

● فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کا اعلان جبکہ مخالفین میں وہ لوگ تھے جنھوں نے مسلمانوں کی جائدادیں ضبط کر لی تھیں، ان کا مال چھینا تھا، ان پر کئی کئی جنگیں مسلط کی تھیں، ان کے امن کے لئے خطرہ بنے ہوئے تھے، مختلف طرح سے انہیں ستایا اور اذیت سے دوچار کیا تھا۔ ان کی مذہبی آزادی، اور جائز اظہار خیال کی آزادی بھی سلب کر لی تھی۔

● رسول اکرم ﷺ کی جانب سے جنگی سربراہوں کو جو ہدایات دی جاتی تھیں وہ بھی اسلام کی امن پسندی اور انسانیت دوستی کا روشن نمونہ ہیں؛ مثلاً: رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

● اللہ کی راہ میں اللہ کے نام سے جنگ شروع کرنا، جو کفر باللہ کرتے ہیں ان سے جنگ کرنا، جنگ میں مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا، دھوکہ اور فریب اور بدعہدی نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا (یعنی مرنے کے بعد انسان کے اعضاء نہ کاٹنا)، کسی بچے کو قتل نہ کرنا...(مسلم)

● جانوروں کو بھی باندھ کر مارنے اور قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (بخاری، مسلم)

● آپ نے جنگ کے موقع پر ایک عورت کو مقتول دیکھا تو فرمایا: یہ جنگ کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنے والی نہیں تھی، اس کے بعد آپ نے ایک شخص کو حضرت خالد کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ بال بچوں اور مزدوروں کو قتل نہ کریں.'' (ابن ماجہ الصحیحۃ:۷۰۱)

● حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے سپہ سالار یزید بن ابی سفیان کو ملک شام روانہ کرتے وقت حسب ذیل ہدایات دی تھیں:

دیکھو تمہیں کچھ لوگ ملیں گے جنھوں نے اپنے دعوے کے مطابق خود کو اللہ کے لئے وقف کر رکھا ہوگا تو تم ان سے اور ان کے مذکورہ نظریے سے کوئی تعرض نہ کرنا۔ اس کے بعد انہیں دس باتوں کی تعلیم دی: کسی عورت کو قتل کرنا نہ کسی بچے کو، نہ کسی عمر دراز بوڑھے کو، نہ پھل دار درخت کاٹنا نہ کسی آباد کو اجاڑنا، نہ کسی بکری یا اونٹ کی کونچ کاٹنا، ہاں اگر یہ کام کھانے کی ضرورت کے پیش نظر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، اور نہ کوئی کھجور کا درخت جلانا (اور ایک روایت کے مطابق: نہ شہد کی مکھی کے کسی چھتے کو جلانا نہ انہیں اجاڑنا، نہ غرق کرنا، نہ خیانت کرنا، نہ بزدلی دکھانا۔ (موطا امام مالک (۸۵۸)، ابن ابی شیبۃ ۶۴۵/۷، عبدالرزاق ۹۳۷۵)

● حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کسانوں سے گریز کرنا، انہیں قتل نہ کرنا، ہاں اگر وہ تمہارے خلاف جنگ چھیڑیں تو الگ بات ہے۔

یہ سب جنگی اخلاقیات کی اعلیٰ تعلیمات ہیں جن کی پاسداری مسلمانوں نے ہر دور میں کی ہے۔

● **کیا اسلام تشدد اور تلوار سے پھیلا ہے یا اخلاق و کردار سے؟**

بعض لوگ آج تک اپنے خفیہ اور ظاہری ایجنڈوں کے تحت

یہ رٹ لگائے ہوئے ہیں کہ اسلام تشدد اور تلوار سے پھیلا ہے حالانکہ یہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ اور حقائق کے ساتھ بدترین مذاق ہے۔اسی لئے خود غیر مسلم اسکالروں اور رائٹروں نے اس کی تردید کی ہے اور اس بات کا برملا اعتراف کیا ہے کہ اسلام اپنے روشن اصولوں اور کردار کے اعلیٰ نمونوں سے پھیلا ہے۔ چنانچہ جرمن مفکر ڈیسن کہتا ہے:

''یہ ایک غلطی ہے کہ انسان کچھ لوگوں کے اس پروپیگنڈے کی تصدیق کرے کہ اسلام کی پیش قدمی اور پھیلاؤ کی داعی اول تلوار تھی، اس لئے کہ اسلام کے پھیلنے کا سبب اول اس کی بے مثال دینی اخوت ہے، وہ نئی معاشرتی زندگی ہے جس کی اس نے دعوت دی، اور اس کے لئے پورا پورا موقع فراہم کیا، پھر وہ شریفانہ اور پاکیزہ زندگی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے بعد ان کے خلفاء نے گزاری، جو پاکدامنی اور قربانیوں کی اس حد کو پہنچ گئی تھی جس نے اسلام کو نہ مغلوب ہونے والی ایک عظیم قوت بنا دیا تھا۔ (ڈیسن کی کتاب محمد بن عبداللہ ۵۹)

- برٹش اسکالر ڈاکٹر آرمسٹرونگ اپنی کتاب (نبی محمد کی سیرت) میں لکھتی ہے: ''جیسا کہ بعض لوگ کبھی کبھی کہا کرتے ہیں کہ دین اسلام اپنے اصل اور جوہر میں ایک ایسا دین ہے جو تشدد یا تعصب سے متصف ہے، تو ایسا سمجھنا ایک غلطی ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے، جو نہ کسی مشرقی سرکشی سے متصف ہے، نہ مغرب دشمنی سے۔ (نبی محمد کی سیرت ص۱۹)

وہ بتاتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اس تہمت تراشی کا سبب پرانے کینے اور قدیم نفرتیں ہیں، چنانچہ لکھتی ہے:

''ہم اہل مغرب کو اس بات کی حاجت ہے کہ ہم اپنے پرانے کینوں سے دست کش ہو جائیں، اور شاید محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جیسی شخصیت ہی اس ابتدا کے لئے ایک مناسب شخصیت ہے، وہ ایک امنڈتے ہوئے احساسات کے آدمی تھے.. انھوں نے ایک ایسے دین اور موروثی تمدن کی بنیاد ڈالی جس کی اساس تلوار نہیں تھی، گو مغربی افسانے کچھ اور کہتے ہوں، وہ دین جس کا نام اسلام ہے، اس لفظ ہی کے اندر امن اور باہمی تفاہم کی دلالت موجود ہے۔ (حوالہ مذکور ص ۲۹۳)

- مورخ کبیر گوستولی بون صاحب لکھتے ہیں:

''اسلام تلوار سے نہیں صرف دعوت سے پھیلا ہے، اور آخر میں ترکوں اور مغلوں جیسی جن قوموں نے عربوں کو مغلوب کر دیا تھا انھوں نے بھی صرف دعوت ہی سے اسلام قبول کیا تھا، ہندوستان جہاں عربوں کی حیثیت صرف آنے جانے والے مسافروں کی تھی وہاں اسلام کس قدر تیزی کے ساتھ پھیلا تھا.. اس چین میں بھی اسلام کم نہیں پھیلا ہے جس کا کوئی جزء عربوں نے کبھی فتح نہیں کیا تھا'' (حضارۃ العرب ص۱۲۸-۱۲۹)

- اسلام ہی کی یہ ایک عظیم ترین خوبی ہے کہ وہ خود پر ظلم کرنے والے مخالفین اور دشمنوں کے ساتھ بھی ظلم و زیادتی اور ناانصافی سے روکتا ہے۔

• قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک:

جب جاہلیت کی جنگیں حربی اخلاقیات کے معمولی قواعد اور اصولوں سے بھی آگاہ نہیں تھیں اور ایک ہی قانون جانتی تھیں کہ غالب کو مغلوب کے ساتھ سب کچھ کرنے کا اختیار ہے، ایسے وقت میں اسلام نے دنیا کے سامنے قیدیوں کے حقوق کا ایک جامع تصور پیش کیا۔

عصر حاضر میں عالمی تنظیمات نے قیدیوں کے حقوق کے متعلق جو نظریاتی دفعات مقرر کی ہیں۔جن کا فعالیت اور نفاذ سے واسطہ بہت کم ہی ہے۔مثلا جنیوا معاہدے وغیرہ جس میں جنگی قیدیوں کے ساتھ تعامل اور جسمانی اور نفسیاتی امور سے متعلق اصولوں کی پاسداری اور حقوق کی رعایت کی بات کی گئی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیکڑوں سال پہلے ان کے

لئے نہایت ہی جامع اور تمام پہلوؤں کی رعایت پر مشتمل ضابطے مقرر فرمادئے تھے، اور اس میں اس کا بھی اضافہ کر لیجئے کہ رسول کریم کے مقررہ ضابطے محض نظریاتی نہیں تھے، بلکہ ان کے اصحاب اور ماننے والوں نے اپنی جنگوں اور معرکوں میں ان کا پورا پورا عملی نفاذ بھی کیا تھا۔

- بہت بار ایسا ہوتا تھا کہ انتہائی فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سارے قیدیوں کو رہا کر دیا جاتا تھا، بسا اوقات ان کی تعداد چھ چھ ہزار تک بھی رہا کرتی تھی۔

- مشہور اسکالر لوئیس سیڈو صاحب لکھتے ہیں:

''انھوں نے غزوۂ بدر کے بعد قیدیوں کو قتل کر دینے کے سلسلے میں عمر بن خطاب کی رائے کو مسترد کر دیا تھا... انھوں نے اپنے چچا حمزہ کے قاتل کو معاف کر دیا تھا، اور جب بھی کبھی کسی لطف اور معافی ورواداری کا مطالبہ ان سے کیا گیا انھوں نے کبھی اسے رد نہیں فرمایا۔ (دیکھئے: الإسلام بين الانصاف والجحود، ص ۱۳۴)

- غزوۂ بدر میں جو قیدی ہاتھ آئے رسول اکرم ﷺ نے انہیں اپنے اصحاب میں تقسیم فرمادیا (کیونکہ اس وقت جیلیں نہیں تھیں کہ انہیں وہاں بھیج دیا جاتا) اور انہیں حکم دیا کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (البداية والنهاية - ابن کثیر ۳/۳۰۷) اس ہدایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے ان کی ایسی خدمت کی کہ خود انہیں حیا آنے لگتی تھی، چنانچہ حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی ابوعزیز بن عمیر اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے بدر میں بطور قیدی پکڑ لیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مجھے انصاریوں کے ایک گروہ کے حوالے کر دیا گیا تھا، جب وہ مجھے بدر سے لیکر چلے تو دوپہر اور رات کے کھانے میں وہ روٹی مجھے کھلا دیتے تھے اور خود کھجوروں پر گزارہ کر لیتے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہمارے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا تھا، اس لئے جب کسی کے حصے میں روٹی کا کوئی ٹکڑا آجاتا تو وہ مجھے تھما دیتا تھا، اور میں شرما کر اسے ان میں سے کسی ایک کو دے دیتا مگر وہ اسے ہاتھ بھی نہیں لگاتا تھا بلکہ مجھے ہی واپس کر دیتا تھا۔ (ابن ہشام: ۱/۶۴۴)

- ابوالعاص بن ربیع بیان کرتے ہیں کہ میں انصاریوں کے ایک گروہ کے حوالے تھا، اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، جب دوپہر یا رات کے کھانے کا وقت ہوتا وہ روٹی مجھے کھلا دیتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے، ان دنوں روٹی بہت کم ملا کرتی تھی، ان کا گزارہ کھجوروں پر ہی ہوتا تھا، صورت حال یہ تھی کہ جب کسی کے ہاتھ کوئی روٹی کا ٹکڑا آتا تو وہ مجھے ہی دے دیا کرتا تھا۔

ولید بن مغیرہ بھی اسی طرح کی بات سنایا کرتے تھے، البتہ وہ اس میں اتنا اضافہ بھی کرتے تھے کہ وہ لوگ خود تو پیدل چلتے تھے اور مجھے سواری پر بیٹھا کر لے جاتے تھے۔ (واقدی کی مغازی: ۱/۱۱۹)

- اسی حسن سلوک اور عام اعلیٰ اخلاقی رنگ ڈھنگ کا نتیجہ تھا کہ قیدیوں میں جو اعلیٰ رتبے کے لوگ ہوتے تھے وہ بھی بڑی تیزی کے ساتھ اسلام قبول کر لیتے تھے۔ خود ابوعمیر بن مصعب بھی مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے ساتھ ہی سائب بن عبید بھی ایمان لائے۔ نجدی سردار ثمامہ بن اثال کا واقعہ مشہور ہی ہے۔

- رسول اللہ ﷺ نے حاتم طائی کی بیٹی کو جب وہ قید ہو کر ان کی خدمت میں آئیں تو نہ صرف یہ کہ باعزت رہا کر دیا بلکہ انہیں لباس اور سفر خرچ سے بھی نوازا اور ان کے لئے سواری کا بھی انتظام کر دیا اور وہ اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ اپنے وطن واپس چلی گئیں، اسی حسن سلوک کا نتیجہ تھا کہ ان کے بھائی عدی بن حاتم جو نبی کریم ﷺ سے بھاگے بھاگے پھرتے تھے

ان کی خدمت میں آ کر مسلمان ہو گئے۔

● قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی انصاف کیا جائے اور اس پر کسی طرح کی ظلم و زیادتی روا نہ رکھی جائے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ) (المائدۃ:۸)

اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ۔ راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کردے۔ عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

دوسری جگہ فرمایا: (فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ) (البقرۃ: ۱۹۴) جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ مطلب صاف ہے کہ تم بھی اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔

دشمنوں کی لاشوں کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک:

● رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے خاتمے پر تمام مخالفین کی لاشوں کو ایک متروک کنوئیں میں ڈال کر دفن کرادیا اور ان کا مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔

● غزوہ خندق کے موقع پر کفار کی طرف سے نوفل بن عبداللہ ایک گروہ کے ساتھ خندق پار کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش میں مارا گیا، مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ اس کی لاش ہمارے حوالے کردی جائے اور ہم اس کے عوض تیرہ ہزار ادا کریں گے..(سیرت حلبیہ: ۶۲۸/۲) مگر آپ نے اس مال کو لینے سے گریز کیا اور فرمایا کہ: ان کا مردہ ان کے حوالے کردو وہ ایک خبیث مردہ ہے اور اس کی دیت (مالی عوض) بھی خبیث ہے۔ (احمد (۲۴۴۲) شیخ احمد شاکر نے اسے صحیح بتایا ہے مگر اس میں مقتول کا نام مذکور نہیں ہے) اور ایک روایت میں ہے کہ ہم اسے دفن کرنے سے نہیں روکتے، مگر ہمیں اس کی دیت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: تم اسے لے جاؤ، ہم مردوں کی قیمت نہیں کھاتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ - بیھقی، مگر اس کی سند نہیں بیان کی ہے)

● عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن ودکو قتل کرنے کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے تو خوشی کے مارے ان کا چہرہ کھلا ہوا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: آپ نے اس کی زرہ کیوں نہ اتار لی، وہ تو عرب کی سب سے قیمتی زرہ تھی؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب میں نے اس پر ضرب لگائی تو اس نے میرے سامنے اپنی شرمگاہ کھول دی تھی، اس لئے مجھے اس کی زرہ اتارتے ہوئے حیا آئی۔

(دلائل النبوۃ بیھقی ۱۳۲۰، دیکھئے: سیرت حلبیہ ۶۲۸/۲)

۴- غیر مسلم رعایا کے ساتھ اسلامی حکومتوں کا رویہ:

● اہل ذمہ (اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا) کو اعتقادی آزادی فراہم کرنا:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صاف اعلان کردیا ہے کہ (لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ) (البقرۃ: ۲۵۶) دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہوچکی ہے اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان

لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا، اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

● اس آیت کا شان نزول یہ بتایا جاتا ہے کہ انصار کے کچھ نوجوان یہودی یا عیسائی ہوگئے تھے، پھر جب یہ انصار مسلمان ہوگئے تو انھوں نے اپنی نوجوان اولاد کو بھی زبردستی مسلمان بنانا چاہا جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ دین کے معاملے میں کوئی جبر واکراہ نہیں ہے جو شخص برضا ورغبت اسلام قبول کرتا ہے فبہا ورنہ کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کی نہ اجازت ہے نہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔ (دیکھئے تفسیر طبری وابن کثیر ودیگر کتب تفسیر)

مسلمانوں نے اپنی پوری تاریخ میں اس تعلیم پر زبردست عمل کیا اور انھوں نے کسی بھی فرقے کے ساتھ اس کے اعتقادی مسائل میں جبر واکراہ سے کام نہیں لیا جس کا اعتراف دنیا کے تمام انصاف پسندوں کو ہے۔

● مشہور اسکالر روم لینڈ ولکھتا ہے:

''عیسائی شہنشاہیت کے برعکس جس نے عیسائیت کو بالجبر اپنی رعایا پر لاگو کرنا چاہا عربوں نے دینی اقلیتوں کا اعتراف کیا اور ان کے وجود کو تسلیم کرلیا۔ یہود ونصاریٰ اور زردشتی ان کے نزدیک (اہل ذمہ) سے معروف تھے، یا پھر انہیں حمایت سے بہرہ اندوز قوموں کا نام دیا جاتا تھا۔ بواسطہ جزیہ انہیں عبادت میں آزادی کی ضمانت ملتی تھی جو فوجی خدمت کی جگہ پر ادا کیا جاتا تھا۔ اس ٹیکس کے ساتھ خراج بھی وصول کیا جاتا تھا، مگر مجموعی اعتبار سے یہ ٹیکس ان ٹیکسوں کے مقابلے میں بہت کم تھے جو بازنطینی حکومتوں کے زیر سایہ لاگو تھے۔ ہر فرقے کے ساتھ ایک ملت کی حیثیت سے تعامل کیا جاتا تھا یعنی وہ ایک ایسا گروہ ہوتا تھا جسے ریاست کی ماتحتی میں نصف خودمختاری حاصل ہوتی تھی اور ہر ملت اپنے دینی پیشوا کے تابع ہوا کرتی تھی۔ (اسلام اور عرب ص ۱۱۹)

● غیر مسلم رعایا کو دینی شعائر کی ادائیگی کی آزادی:

ویل ڈیورینٹ صاحب لکھتے ہیں:

''..اموی خلافت کے عہد میں اہل ذمہ عیسائی، زردشتی، یہود اور صابی رواداری کے اس درجے سے بہرہ اندوز تھے جس کی نظیر ان دنوں مسیحیت میں نہیں پائی جاتی ہے۔ وہ سب اپنے دینی شعائر کی ادائیگی اور اپنے کلیساؤں اور معبدوں کی بقا میں آزاد تھے..انہیں ذاتی فیصلوں کا اختیار تھا جن میں وہ اپنے پیشواؤں، ججوں اور قانونوں کے تابع تھے''۔ (قصة الحضارة، ۱۳۰/۳-۱۳۱)

● مسلمانوں کی جانب سے غیر مسلم رعایا کی نگہبانی:

آرتھر سٹینلی ٹرائٹن صاحب لکھتے ہیں:

''جب (عمر بن خطاب) کی اجل قریب آئی تو انھوں نے بستر مرگ پر پڑے پڑے اپنے بعد والوں کو یہ وصیت فرمائی کہ:

''میں اپنے بعد والے خلیفہ کو ذمیوں کے ساتھ بہتر سلوک اور ان سے ایفائے عہد کی وصیت کرتا ہوں اور اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ ان کے پیچھے لڑا جائے (یعنی ان کی حفاظت میں جنگ کی جائے)، اور انہیں ان کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہ کیا جائے''۔

اور نصرانی خبروں میں بھی ایسی شہادت موجود ہے جو اس قول کی تائید کرتی ہے، یہ (عیشو یابہ) کی شہادت ہے جو سن ۶۴۷ء سے ۶۵۷ء تک کرسی بطریکیت پر فائز رہے تھے، لکھتے ہیں: ''عرب جنھیں پروردگا نے دنیا پر غلبہ عطا فرمایا ہے ان کا ہمارے ساتھ جو تعامل ہے وہ آپ سب کے لئے معروف ہے، یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ وہ عیسائیت کے دشمن نہیں ہیں بلکہ وہ تو ہماری ملت کی مدح سرائی کرتے ہیں، ہمارے پادریوں اور ولیوں کی توقیر کرتے ہیں، اور ہمارے کلیساؤں اور دیروں کے لئے

دست تعاون بڑھاتے رہتے ہیں''۔ ظاہر یہی ہے کہ جو معاہدہ (عیشو یابہ) اور مسلمانوں کے درمیان طے پایا تھا وہ عیسائیوں کے مفاد ہی میں تھا، اس میں یہ عبارت موجود تھی کہ مسلمان ان کے دشمنوں سے لازمی طور پر ان کی حفاظت کریں گے، انھیں عربوں کے مفاد میں جنگ کرنے کی تکلیف نہیں دی جائے گی، اپنی عادتوں پر قائم رہنے اور اپنے شعائر کی ادائیگی کی وجہ سے انہیں کوئی اذیت نہیں دی جائے گی، غریبوں سے وصول کیا جانے والا جزیہ ۴/درہم سے زیادہ نہیں ہوگا، البتہ مالدار تاجر سے بارہ درہم وصول کیا جائے گا، اور اگر کوئی کرسچین لونڈی کسی مسلمان کی خدمت میں ہوگی تو اس کے مالک کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ اسے اپنا مذہب ترک کرنے، اپنی نماز چھوڑنے اور اپنے روزوں سے کنارہ کش ہونے پر مجبور کرے۔ (اهل الذمة فی الاسلام - اسلام میں ذمیوں کی حیثیت -۱۵۸-۱۵۹)

● **حکومتی اداروں میں ملازمتیں:**

آدم متز صاحب لکھتے ہیں:

''جن باتوں پر ہمیں تعجب ہے ان میں سے ایک اسلامی حکومت میں غیر مسلم ورکروں اور عہدیداروں کی کثرت بھی ہے۔ اور عمر بن خطاب بھی دفتروں کی تیاری اور ترجمہ کے کاموں میں ان کا تقرر فرمایا کرتے تھے۔ (آدم متز: الحضارة الاسلامية فی القرن الرابع-چوتھی صدی میں اسلامی تہذیب-۱/۸۷)

● **ذمیوں (غیر مسلم رعایا) سے متعلق نبی اکرم ﷺ کی ہدایات اور ان کی ایذا رسانی سے گریز کے سخت ترین احکام:**

۱- ذمی کو ناحق قتل کرنے کی ممانعت:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''جس نے کسی معاہد (جس سے مسلمانوں کا امن کا عہد ہو) قتل کیا اسے جنت کی خوشبو بھی نہیں ملے گی، حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔ (بخاری: ۳۰۶۴)

۲- ذمی (غیر مسلم رعایا) پر ظلم کی حرمت:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آگاہ رہو کہ جس کسی نے کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کیا، یا اس کا پورا حق نہ دیا، یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر کسی طرح کا بوجھ ڈال دیا، یا اس کی کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف لے لی تو قیامت کے دن میں اس کا فریق بنوں گا''۔ (ابوداود (۳۰۵۲) حدیث صحیح ہے)

● اسی کے متعلق مشہور مستشرق گولدزیہر لکھتا ہے:

''ذمیوں پر ظلم -اور یہ وہ غیر مسلم ہوتے ہیں جو اسلام کی حفاظت میں ہوتے ہیں- کو گناہ اور شریعت سے تجاوز شمار کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض حالات میں جب حاکم لبنان نے قوم کے ساتھ اس لئے سختی کا معاملہ کیا کہ اس نے ٹیکس وصول کرنے والے عاملوں کے ظلم کے خلاف مظاہرہ کیا تھا تو اس کے متعلق وہی حکم لگایا گیا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

''جس نے کسی معاہد (یعنی ذمی) پر ظلم کیا یا اسے اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف کیا تو میں قیامت کے دن اس کا فریق مخالف بنوں گا''۔ اور اس سے زیادہ قریب کے عہد کا وہ واقعہ ہے جسے پورٹر نے اپنی کتاب (دمشق میں پانچ سال) میں بیان کیا ہے: وہ کہتا ہے کہ اس نے بصری کے قریب (یہود کا گھر) دیکھا اور بیان کیا کہ اس جگہ پر ایک مسجد تھی جسے حضرت عمر نے گرا دیا تھا کیونکہ حاکم نے اسے مسجد بنانے کے لئے ایک یہودی سے چھین لیا تھا۔ (العقيدة والشريعة فی الاسلام۴۶-۴۷ تفصیل کے لئے دیکھئے سعد یاقوت کی کتاب نبی الرحمۃ)

■ اسلام اپنے ماننے والوں کو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی بجائے غلط باتوں کا جواب امکانی حد تک نرمی اور شائستگی سے دینے کا حکم دیتا ہے اور زبانی طور پر بھی تکلیف دہ الفاظ کے استعمال سے روکتا ہے۔

● واقعہ مشہور ہے کہ یہود کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور ان لوگوں نے کہا: السام علیکم۔ جس کا مطلب تھا کہ تم پر موت آئے یا تم ہلاک ہوجاؤ، اس پر حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ تم پر بھی آئے اور تم پر اللہ کی لعنت ہو، اللہ کا غضب ہو۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: عائشہ! ٹھہر جاؤ! نرمی اختیار کرو، سختی اور بدگوئی نہ اپناؤ۔ (الأدب المفرد ۳۱۱، البانی نے صحیح کہا ہے)

غیر مسلموں سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے خوشگوار تعلقات:

● حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ عمداً رسول اللہ ﷺ کے پاس اس امید پر چھینکا کرتے تھے کہ آپ اللہ سے ان کے لئے رحمت کی دعا فرمائیں گے تو آپ انہیں دعا دیتے تھے کہ اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے حالات درست فرمادے۔ (الأدب المفرد ۳۱۱، صحیح ہے)

● حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر فرعون مجھ سے کہے: ''بارک اللہ فیک'' اللہ تمہیں برکت دے تو میں بھی اس سے کہوں گا کہ اللہ تمہیں بھی برکت دے، حالانکہ فرعون مرچکا ہے۔ (الأدب المفرد ۱۱۱۳، صحیح الأدب المفرد)

● حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے ایک بکری ذبح کی، جب وہ اپنے گھر آئے تو انھوں نے پوچھا: کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کے گھر ہدیہ بھیج دیا، کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کے گھر گوشت پہنچا دیا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جبریل مجھے پڑوسی کے متعلق مسلسل وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ وہ اسے وارث ٹھہرا دیں گے۔ (ترمذی ۱۹۴۳، البانی نے صحیح کہا ہے)

● واقعہ مشہور ہے کہ ایک یہودی خاتون نے آپ ﷺ کو دعوت دی تو آپ نے اس کی دعوت قبول کرلی تھی۔ پھر اس نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔ مگر معلوم ہونے کے باوجود آپ نے اسے معاف کردیا تھا۔ (ابوداؤد، رقم الحدیث: ۴۵۱۲)

● لبید بن اعصم نامی یہودی نے آپ پر جادو کیا تھا مگر آپ نے اسے معاف کردیا تھا۔ (دیکھئے بخاری قبل الحدیث: ۳۱۷۵)

ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی رواداری اور بلاتفریق مذہب رعایا پروری:

اگرچہ مذکورہ تفصیلات اور دیگر بہت ساری تعلیمات، حقائق اور واقعات سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام ایک امن پسند، صلح جو اور روادار مذہب ہے جو اپنے مقررہ مذہبی اصولوں اور ضابطوں کی پاسداری کے ساتھ دوسروں سے خوشگوار تعلقات کی مستحکم بنیادیں رکھتا ہے اور مسلم حکومتوں نے انسانیت نوازی اور غیر مسلم قوموں کے ساتھ تعامل کے اعلیٰ اخلاقی نمونے پیش کئے ہیں مگر موجودہ ملکی حالات کے تناظر میں آج ہم اس ضرورت کا شدت سے احساس کررہے ہیں کہ اس رنگا رنگ تہذیب وثقافت کے حامل ملک کے باشندوں کو خصوصی اور بیمثال رواداری کے وہ نمونے یاد دلائیں جو مسلمانوں نے اس ملک میں اپنے سیکڑوں سالہ دورحکومت میں پیش کئے تھے۔

● پہلی بات رواداری کسے کہتے ہیں؟

لغوی اعتبار سے رواداری کا معنی ہوتا ہے بےتعصبی اور کسی بات کو رعایت سے جائز رکھنا۔ اس کے ہم معنی یا قریب المعنی الفاظ میں فراخ دلی، وسیع القلبی اور تحمل وبردباری وغیرہ کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ اور اردو لغت جلد دہم (شائع کردہ اردو لغت بورڈ ترقی اردو بورڈ کراچی) کے مطابق ''روا'' کا مطلب ہے ایسی بات کا مباح جاننا جس بات میں کوئی مذہبی، اخلاقی یا قانونی حرج نہ ہو اور ''دار'' کا مطلب ہے درست یا جائز سمجھنے والا، قبول یا برداشت کرنے والا۔ انگریزی میں اس کا متبادل لفظ

Toleration یا Tolerance ہے۔اور عربی لفظ ''تسامح'' یا ''سماحۃ'' ہے۔

اور رواداری کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ اپنے عقائد ونظریات پر باقی رہتے ہوئے دوسروں کے عقائد ونظریات کو برداشت اور گوارا کیا جائے اور انہیں ان پر عمل کرنے کی آزادی دی جائے۔ البتہ اپنے عقائد اور مذہبی اصولوں اور ضابطوں کو قربان کر کے ہر نظریے اور ازم کی تائید کرنا اور ان کے لئے اپنے عقائد ونظریات سے کنارہ کش ہوجانا رواداری نہیں بلکہ منافقت، بے غیرتی اور مذموم قسم کی بے حمیتی ہے۔ رواداری کے نام پر اپنے عقائد اور اصولوں سے دستبردار ہوجانے یا ان پر ہونے والے حملوں کا دفاع ترک کردینے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور دنیا کا کوئی بھی بااصول مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ رواداری کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آپ دوسروں کو تو ہر طرح کی آزادی فراہم کریں اور وہ آپ کی بنیادی آزادی بھی سلب کرلیں۔ اگرچہ یہ بات رواداری کی تعریف میں شامل ہے کہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو ان کے عقائد کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی دی جائے مگر عملا یہ آزادی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ نہ تو یہ دوسروں کی آزادی میں خلل انداز ہو اور نہ ہی اس سے معاشرے کے امن وامان یا ملکی دفاع وسلامتی کے لئے خطرہ لاحق ہو۔

● رواداری کے سلسلے میں مولانا مودودی صاحب کا حسب ذیل اقتباس انتہائی قابل مطالعہ ہے، اس لئے پیش خدمت ہے:

مولانا مودودی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عموماً لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ دس مختلف خیالات رکھنے والے آدمیوں کے مختلف اور متضاد خیالات کو درست قرار دینا ''رواداری'' ہے۔ حالانکہ یہ دراصل رواداری نہیں، عین منافقت ہے۔ رواداری کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے عقائد یا اعمال ہمارے نزدیک غلط ہیں ان کو ہم برداشت کریں، ان کے جذبات کا لحاظ کر کے ان پر ایسی نکتہ چینی نہ کریں جو ان کو رنج پہنچانے والی ہو، اور انھیں ان کے اعتقاد سے پھیرنے یا ان کے عمل سے روکنے کے لیے زبردستی کا طریقہ اختیار نہ کریں۔ اس قسم کے تحمل اور اس طریقے سے لوگوں کو اعتقاد وعمل کی آزادی دینا نہ صرف ایک مستحسن فعل ہے، بلکہ مختلف الخیال جماعتوں میں امن اور سلامتی کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے لیکن اگر ہم خود ایک عقیدہ رکھنے کے باوجود محض دوسرے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ان کے مختلف عقائد کی تصدیق کریں، اور خود ایک دستور العمل کے پیرو ہوتے ہوئے دوسرے مختلف دستوروں کا اتباع کرنے والوں سے کہیں کہ آپ سب حضرات برحق ہیں، تو اس منافقانہ اظہار رائے کو کسی طرح رواداری سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ مصلحتاً سکوت اختیار کرنے اور عمداً جھوٹ بولنے میں آخر کچھ تو فرق ہونا چاہیے۔

رواداری یہ ہے کہ ایک حق پرست، صداقت پسند اور سلیم الطبع انسان جس مسلک کو صحیح سمجھتا ہے اس پر سختی کے ساتھ قائم رہے گا، اپنے عقیدہ کا صاف صاف اظہار واعلان کرے گا، دوسروں کو اس عقیدہ کی طرف دعوت بھی دے گا، مگر کسی کی دل آزاری نہ کرے گا، کسی سے بدکلامی نہ کرے گا، کسی کے معتقدات پر حملہ نہ کرے گا، کسی کی عبادات اور اعمال میں مزاحمت نہ کرے گا، کسی کو زبردستی اپنے مسلک پر لانے کی کوشش نہ کرے گا۔ باقی رہا حق کو حق جانتے ہوئے حق نہ کہنا۔ یا باطل کو باطل سمجھتے ہوئے حق کہہ دینا، تو یہ ہرگز کسی سچے انسان کا فعل نہیں ہوسکتا اور خصوصاً لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ایسا کرنا تو نہایت مکروہ قسم کی خوشامد ہے۔ (ماخوذ از تفہیمات: ۱/ ۱۱۴-۱۱۵)

❖ ❖ ❖

احکام ومسائل

برما کے مسلمانوں کی آواز سنے کوئی!

کمال الدین سنابلی (داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

مسلمانوں پر ظلم ہونا اب میڈیا کے لیے کوئی سنسنی خیز" خبر" نہیں ہے، کیونکہ اب یہ بات عام ہو چکی ہے، آئے دن دنیا کے کسی نہ کسی کونے میں مسلمانوں کو ظلم کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

لیکن ماہ اگست (2017) میں برمی مسلمانوں پر شروع ہوا ظلم اس لیے زیادہ حیرت و استعجاب کے پہلو رکھتا ہے کیونکہ مسلمانوں پر یہ ظلم ایسی قوم نے کیا جو" اہنسا" کے دعوے دار ہیں، ظلم اس سے پہلے بھی کئی بار بدھسٹ انتہا پسند، برمی مسلمانوں پر کر چکے ہیں لیکن اس بار" اہنسا" کے ان پجاریوں نے ساری حدیں پار کر دیں، فوج بھی دنگائیوں کے ساتھ مل کر برمی مسلمانوں کو روہنگیا سے کھدیڑ رہی ہے۔

ظلم کی ایسی داستان کہ لکھتے ہوئے قلم خون اگلے، عورت، مرد، بچے بوڑھے الغرض کسی کو نہیں بخشا گیا، جو جان بچا کر کشتی کے ذریعے بھاگنے میں کامیاب ہو گئے ان میں سے بہت سے سمندر کی لہروں کے شکار ہو گئے، جو بچ گئے اور کسی طرح کسی مسلم ملک کی سرحد تک پہنچ گئے اس امید کے ساتھ کہ وہ ہمارے کلمہ گو مسلم بھائی ہیں، ہماری ضرور مدد کریں گے، جب پہونچے تو انہیں دوبارہ سمندر کی طرف دھکیل دیا گیا، ظلم ایسا کہ شاعر بھی تڑپ اٹھا:

کل رات میری آنکھ یہ کہتے ہوئے روئی
برما کے مسلمانوں کی آواز سنے کوئی

بہرحال بعض عربی ممالک کی امداد کی پیشکش کے بعد بنگلہ دیش اپنی سرحد ان مظلوموں کے لیے کھولنے پر راضی ہوا۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہو اور دوسرے اعضاء اس تکلیف کو محسوس نہ کریں، لہٰذا انسان و مسلمان ہونے کے ناطے ہم بھی برمی مسلمانوں کے درد کو محسوس کرتے ہیں لیکن کیا کریں، دعا کے سوا کچھ نہیں کر سکتے بس رب العالمین سے دعا ہے کہ اے اللہ مظلوموں کی مدد فرما، کمزوروں کی مدد فرما، جن مسلمانوں کو ان کی زمین سے نکال دیا گیا ان کی پُرامن واپسی کی راہیں ہموار فرما، ان کے ملک میں امن وامان قائم فرما۔

برمی مسلمانوں کی تاریخ پر اگر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ" اراکان" برمی مسلمانوں کا آبائی وطن ہے، جو 1784 عیسوی تک اراکانی مسلمانوں کا آزاد ملک تھا، بعد میں برمیوں نے اس پر قبضہ کر لیا، پھر 1937ء تک میانمار برصغیر ہی کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا، آخری مغل بادشاہ شاہ ظفر کو زندگی کے آخری ایام میں میانمار ہی میں قید رکھا گیا، پھر 1937ء میں برطانوی گورنمنٹ نے اسے الگ کالونی کا درجہ دے دیا اور 1948ء تک برطانیہ کے زیر تسلط رہا۔

برمی اقتدار کے بعد وہاں کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا اور حد تب ہو گئی جب 1982ء میں برمی بدھسٹ حکومت نے وہاں کے مسلمانوں کی شہریت منسوخ کر دی، لہٰذا

مسلمانوں پر پکے مکان بنانے اور تعلیم حاصل کرنے تک پر روک لگادی گئی۔

برطانوی تسلط سے آزادی اور برمی اقتدار کے بعد سب سے پہلے مسلمانوں کا قتل عام 1962ء میں ہوا جو وقفے وقفے سے 1982ءتک جاری رہا، پھر 1997ء میں ظلم کی یہ تاریخ دوہرائی گئی، 2001ء میں بھی نشانہ بنایا گیا، اور پھر جون 2012ء میں بڑے پیمانے پر مسلم مخالف فساد ہوا جس کے نتیجے میں لاتعداد مسلمان قتل اور لاکھوں میانمار سے دوسرے ملکوں کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے، ابھی تازہ فساد اگست کے آخر میں شروع ہوا اور اس بار مظلومین کی جو ویڈیو سامنے آئیں وہ دل کو دہلا دینے والی ہیں، آخر انسان انسان کے ساتھ اس قدر ظلم کیسے کرسکتا ہے؟ یقیناً ظلم کرنے والے انسان نہیں جانور ہیں۔

قارئین! اسلامی اخوت کا تقاضا ہے کہ تمام عالم اسلام برمی مسلمانوں کا درد محسوس کرے، اور مندرجہ ذیل طریقوں سے اپنے بھائیوں کی مدد کریں:

1- اس معاملے میں سب سے زیادہ ذمہ داری مسلم ممالک کی ہے، کیونکہ ان کے پاس اقتدار ہے، طاقت ہے، سرحدیں ہیں، لہذا حکومتی پیمانے پر برمی گورنمنٹ پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ مسلمانوں پر ظلم کرنا بند کرے، ان کی حفاظت کو یقینی بنائے، اور ان کی شہریت کو بحال کرے، نیز امن قائم ہونے تک مسلم ممالک اپنی سرحدیں برمی مسلمانوں کے لئے کھول دیں۔

2- عرب ممالک برمی مسلمانوں کا قضیہ اقوام متحدہ میں اٹھائیں، نیز برمی مسلمانوں کے لیے اپنی دولت کے خزانے کھول دیں۔

3- جن ممالک میں مسلم اکثریت میں ہیں وہاں اپنے ملک کی حکومت پر دباؤ ڈالیں کہ وہ برمی مسلمانوں کا قضیہ سلجھانے کی کوشش کرے، نیز تمام مسلمان اپنے ملک میں موجود برمی پناہ گزینوں کا تعاون کریں۔

4- اپنی دعاؤں میں برمی مسلمانوں کو ضرور یاد رکھیں، بیشک دعا بھی مومن کا ہتھیار ہے۔

آخر میں ہم اپنے ملک کی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ سوتیلا برتاؤ بند کرے، اگر بھارت میں دیگر علاقوں سے آئے ہوئے رفیوجی پناہ لے سکتے ہیں، بنگلہ دیش کی تسلیمہ نسرین پناہ لے سکتی ہے تو روہنگیا مسلمان کیوں نہیں؟ آپ بنگلہ دیش میں پناہ گزیں روہنگیا مسلمانوں کے لیے حکومتی پیمانے پر تعاون بھیجتے ہیں اور اپنے ملک میں پناہ گزیں روہنگیا مسلمانوں کے بارے میں سپریم کورٹ میں حلف نامہ داخل کرتے ہیں کہ یہ ملک کی سیکورٹی کے لیے خطرہ ہیں، انہیں ملک سے باہر بھیجا جائے، یہ کیسی دوغلی پالیسی ہے؟ جب 20 سال سے وہ ملک کے لیے خطرہ نہیں بنے تو اچانک اب خطرہ کیسے بن گئے؟ اگر واقعی کسی سے ملک مخالف جرم سرزد ہوتا ہے اور وہ پختہ ثبوتوں سے ثابت ہوجائے تو اس کو کڑی سزا دیجئے لیکن تمام روہنگیا کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا کہاں کا انصاف ہے؟

ہم گورنمنٹ سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ روہنگیا پناہ گزیں مسلمانوں کو ان کے ملک میں امن وامان قائم ہونے تک بھارت سے باہر نہ بھیجے اور ان کی ہر ممکن مدد کرے، روہنگیا بھی انسان ہیں، ان کو بھی جینے کا حق ہے۔

❖ ❖ ❖

خصوصی مضمون

تین طلاق، سپریم کورٹ کا فیصلہ اور ہمارا موقف

سرفراز فیضی : داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئ

طلاق ثلاثہ پر سپریم کورٹ کا فیصلہ مسلمانان ہند کے لیے مجموعی طور پر اطمینان بخش ہے۔مسلمانوں کی پہلی جیت تو یہ ہوئی کہ سپریم کورٹ نے تعدد ازدواج پر پابندی، کامن سول کوڈ کے نفاذ، انفرادی طلاق پر پابندی ، طلاق کا حق مرد سے لے کر عدالت کے سپرد کیے جانے اور مسلم پرسنل لاء کو غیر دستوری قرار دیے جانے کے مطالبہ پر غور کرنے سے انکار کرکے ان کو مسترد کردیا۔ دوسری جیت یہ ہوئی کہ عدالتی تاریخ میں پہلی بار" آزادئ مذہب" کو" مطلق" تسلیم کرتے ہوئے یہ فیصلہ سنایا گیا کہ پرسنل لاء میں عدالت کوکسی طرح کی مداخلت کا حق نہیں۔ عدالت نے پرسنل لاء کو آزادی مذہب کا حصہ قرار دیتے ہوئے اسے آرٹیکل 25 کے تحت مانا ہے۔آرٹیکل 25 کی رو سے مذہبی آزادی ہر شہری کے بنیادی حقوق (fundamental Rights) میں شامل ہے۔اس قانون کے تحت ہر شہری کو اپنے عقائد اور مذہب پر نہ صرف عمل بلکہ ان کی ترویج وتبلیغ کا حق حاصل ہے اور مذھبی اداروں کا قیام بھی ہے، یہ حق بنیادی حق ہے جو ناقابل تنسیخ ہے۔ مطلق آزادی یا مساوات کی بنیاد پر ان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ سپریم کورٹ کے فاضل جج جسٹس کیہر نے اپنے فیصلہ میں یہ بھی کہا کہ" عدالتوں کا یہ کام نہیں کہ وہ پرسنل لاء میں غلطیاں تلاش کریں۔ کیونکہ یہ قوانین منطق پر نہیں عقائد پر مبنی ہیں۔اس لیے پرسنل لاء عدالتی جانچ سے باہر ہے۔"

البتہ عدالت نے تین طلاق کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے اس پر پابندی عائد کردی ہے۔لیکن پابندی کے اس فیصلے کی بنیاد بھی صنفی مساوات پر نہیں اس عمل میں پائے جانے والے ''من مانے پن'' پر رکھی گئی ہے۔تین طلاق پر پابندی کا فیصلہ سنانے والے تین ججوں میں سے ایک جسٹس جوزف جنھوں نے مسلم پرسنل لاء بورڈ کو مذہبی آزادی کے حصہ تو مانا ہے لیکن تین طلاق کو پرسنل لاء کا حصہ ماننے سے انکار کردیا ہے۔ان کے اس فیصلہ کی وجہ سے ہی اکثریت کا فیصلہ تین طلاق پر پابندی کا بنا جس کو عدالت کا فیصلہ مانا گیا۔

مسلم پرسنل لاء کے بارے میں ہمارے موقف کے دو پہلو ہیں، ایک پہلو کا تعلق ریاست ہے۔اور دوسرے پہلو کا تعلق مسلم پرسنل لاء بورڈ ہے۔

<u>پرسنل لاء میں ریاست کی دخل اندازی کے متعلق ہمارا موقف</u>

مسلم پرسنل لاء کے بارے میں ریاست کے سامنے ہمارا موقف بالکل واضح اور دوٹوک ہے کہ :

- مسلم پرسنل لاء شریعت کا حصّہ ہے اور شریعت کے احکام کا واحد منبع اللہ کی ذات ہے۔لہذا شرعی معاملات میں کسی بھی طرح کے کمی اضافے ،ردّ وبدل کا اختیار حکومت یا عدالت کو نہیں۔ ہندستان کا دستور تمام اہل مذاہب کو ان کے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی اجازت دیتا ہے۔یہ اس ملک کے ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔عدالت کی طرف سے پرسنل لاء میں دخل اندازی اس بنیادی حق کے خلاف ہے اور ملک کے دستور کے منافی ہے۔

نکاح وطلاق کی حیثیت مسلمانوں کے لیے محض رسم ورواج کی نہیں ہے جن کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جاسکتا ہو۔ یا مساوات یا آزادی جیسے غیر منضبط نظریات کی بنیاد پر ان کا تجزیہ کرکے ان کو

صحیح، غلط یا مقبول مردود قرار دیا جاسکے۔

● نکاح وطلاق کا نظام شریعت کا لازمی جز ہے۔ پانچ چیزوں کی حفاظت شریعت کا بنیادی مقصد ہے۔ دین، جان، مال، نسب، عزت۔ اسلام میں نکاح اور طلاق کے نظام کے پیچھے بنیادی مقصد نسب کی حفاظت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت میں بہت تفصیل سے نکاح اور طلاق کے احکام ذکر کیے گئے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے دین کا حصّہ ہیں۔ ان کے انکار کرنے یا اسلام کے نظام نکاح وطلاق کی بنسبت کسی اور نظام کو بہتر ماننے والا شخص اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

● نکاح اور طلاق کی بنیاد پر رشتے قائم ہوتے اور ٹوٹتے ہیں۔ ان کا تعلق کسی عورت کے حلال اور حرام ہونے سے ہے اور اسلامی شریعت میں حلال اور حرام کرنے کا اختیار سوائے اللہ رب العزت کے اور کسی کو حاصل نہیں۔ حکومت اور عدالت کو بھی نہیں۔

● رشتوں کی بنیاد تقدس پر ہوتی ہے اور تقدس خالص دل کا عمل ہے جو عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ مسلمان عقیدہ قرآن وسنّت سے اخذ کرتا ہے۔ ریاست عقیدہ کے معاملات میں جبر نہیں کرسکتی۔

● ہمارا ماننا ہے کہ اسلام کے سارے احکام انسانی نفسیات اور سماج کی مصلحتوں پر مبنی ہے۔ اللہ کے ہر حکم کے پیچھے حکمت ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ انسانی عقل اللہ کے احکام کی حکمتوں تک پہنچ بھی جائے لہذا تشریع کے معاملہ اصل شارع (اللہ) کا حکم ہے۔ عقل کی حیثیت اس معاملہ میں ثانوی ہے لہذا عدالت محض عقل اور منطق کی بنیادوں پر عقیدہ کا تجزیہ نہیں کرسکتی۔

● رشتے یقین اور اعتماد کی بنیاد پر استوار ہوتے ہیں۔ مسلمان کا یہ یقین اللہ کے حکم اور اس کی شریعت کی موافقت سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر ریاست کے قوانین شریعت کے قوانین سے متصادم ہوں گے تو رشتے تشویش اور بے یقینی کے شکار ہوجائیں گے۔ یہ کنفیوژن خاندان اور سماج کے لیے انتہائی نقصاندہ ہے۔

● آزادی اور مساوات کے موجودہ معروف تصورات مغرب کی ایجاد کردہ ہیں۔ مغرب میں کیونکہ مذہب ایک زمانہ تک خونریزی کی بنیاد بنا رہا ہے اس لیے وہاں قانون سازی کا عمل مذہب کو برطرف کرکے خالص عقلی بنیادوں پر کیا گیا۔ خود عیسائی مذہب میں کیونکہ خاص فقہ اور احکام کی پابندی کا تصور نہیں اس لیے خالص عقلی بنیادوں پر قانون سازی ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ ہندستان کا معاملہ قطعی مختلف ہے۔ یہاں مذہب کی جڑیں مغرب کے بالمقابل بہت مضبوط ہیں۔ لہذا یہاں مغربی قدروں کی بنیاد پر مذہب کو درکنار کرکے قانون سازی کرنا درست نہیں۔

● آزادی اور مساوات جیسے فلسفے کوئی واضح تصور نہیں رکھتے۔ ان کی کوئی متعین تعریف نہیں۔ دنیا کے کسی معاشرہ میں آزادی اور مساوات علی الاطلاق رائج نہیں۔ لہذا ان کی بنیاد پر اسلامی احکام تجزیہ نہیں کیا جاسکتا۔ نہ ہی آزادی اور مساوات کی خودساختہ تعریف کی بنیاد پر ثابت شدہ اسلامی احکام تبدیل کیے جاسکتے ہیں۔

● بہت چھوٹی سی اقلیت کو چھوڑ کر ہندستان کے مسلمان بالاتفاق مسلم پرسنل لاء میں حکومت کی مداخلت کے مخالف ہیں۔ ہندستانی مسلمان بالاتفاق اسلامی احکام اور قوانین سے مطمئن ہیں۔ اس کا بڑا ثبوٹ لاء کمیشن میں ملک بھر کے مسلمانوں کی طرف سے بھیجے گئے فارم ہیں۔ لہذا ہندستان میں مسلم پرسنل لاء میں حکومت کی مداخلت ملک کے مسلمانوں کیلئے آزادی نہیں ریاستی جبر ہے۔

● عقیدہ کے معاملات میں اگر ریاست جبر بھی کرے تو اس کو کوئی فائدہ ہونے والا نہیں۔ جن مسلمانوں کے نزدیک ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی ہیں وہ محض عدالت کے حکم اور قانون کی بنیاد پر ان طلاقوں کو ایک نہیں مانیں گے۔ لہذا اس مسئلہ کو محض قانون بنا کر نہیں سلجھایا جاسکتا۔ اگر مذہبی علماء ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ہونے کا فیصلہ نہ کریں تو محض قانون

سازی سے اس مسئلہ کو حل نہیں کیا جا سکتا۔

● تین طلاق کے تین ہونے کا مسئلہ گرچہ اہل اسلام کے درمیان اختلافی ہے لیکن احناف کے قدیم اور جدید علماء کی اکثریت تین طلاق کے تین واقع ہونے کو ہی تسلیم کرتی ہے۔ان کی نظر میں اس حکم کے لیے کچھ شرعی دلیلیں ہیں ۔ایک مجلس کی تین طلاقوں پر بحث تو ہونی چاہیے لیکن اس بحث کی بنیاد عقل، منطق یا آزادی اور مساوات کی قدریں نہیں شرعی دلیلیں اور فقہی اصول وضوابط ہوں گے اوران پر بحث بھی شرعی اصولوں اور دلائل سے واقف علماء کرام کریں گے۔ یہ مسلمانوں کا داخلی مسئلہ ہے۔جس کا حل داخلی سطح پر ہی نکالا جانا چاہیے۔

● مسالک اس دین سے الگ نہیں بلکہ دین ہی کا حصہ ہیں۔ لہذا جس طرح عدالت کو مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے اسی طرح مسلکی معاملات میں بھی دخل اندازی سے گریز کرنا چاہیے۔

علماء احناف اور مسلم پرنسل لاء بورڈ کے ذمہ داران کی خدمت میں گذارشات

مسلم پرسنل لاء بورڈ ہندستان کی واحد تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمان دوسری کسی بھی تنظیم کی بنسبت بغیر کسی مسلکی تفریق کے سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔مسلم پرسنل لاء بورڈ ہندستانی مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم ہے۔ کیونکہ ملک میں مسلکی اعتبار سے اکثریت احناف کی ہے اور بورڈ میں بھی اکثریت حنفی علماء کی ہے اس لیے مسلم پرسنل لاء بورڈ کا موقف ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے کا ہے۔ بورڈ اپنے اس موقف پر پوری شدومد کے ساتھ قائم ہے اور اس میں کسی بھی طرح کی لچک دکھانے کے لیے تیار نہیں۔ یہاں تک کہ سپریم کورٹ میں داخل کیے گئے حلف نامے میں بورڈ نے ایک مجلس کی تین طلاق کے متعلق اہل حدیث کے موقف (کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جائیں گی۔)اور شیعہ مذہب کے فقہ جعفریہ کے موقف (ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق ایک بھی شمار نہیں کی جائیں گی) کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا۔ بورڈ میں گرچہ اکثریت علماء احناف کی ہے لیکن بورڈ تمام مسالک کا نمائندہ ہے اس لیے انصاف کا تقاضہ یہ تھا کہ بورڈ اس مسئلہ احناف کے ساتھ ساتھ اہل حدیث اور فقہ جعفریہ کے موقف کا بھی ذکر کرتا۔

اس ناانصافی کا ایک نقصان یہ ہو رہا ہے کہ قومی میڈیا میں ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ہونے یا ایک بھی نہ ہونے کے موقف کی نمائندگی مسلم مہیلا آندولن کی آزاد خیال، دین بے زار خواتین کررہی ہیں جس سے عوام میں یہ پیغام جارہا ہے اسلام کے روایتی مسالک اور ان کے علماء سارے کے سارے ایک مجلس کی تین طلاق کے تین واقع ہونے اور حلالہ کے قائل ہیں۔

محسوس ہوتا ہے کہ ان دین بے زار اور منکرین شریعت خواتین کے پیچھے کچھ بڑی طاقتیں کام کررہی ہے، ان کو میڈیا کا پورا تعاون حاصل ہے، اکھٹی تین طلاق کا شکار ہونے والی خواتین بہت بڑی تعداد میں ان کے جھانسے میں آکر الحاد اور انکار شریعت کی طرف مائل ہورہی ہیں ۔ ایسی خواتین کی تعداد اور طاقت روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے بارے میں جماعت اہل حدیث کا موقف معروف ہے کہ وہ اکٹھی تین طلاقوں میں ایک ہی کے واقع ہونے کے قائل ہیں۔ تین طلاق کے بارے میں بورڈ سے ہماری گذارش ہے کہ:

● بورڈ کو قرآن وسنت کے دلائل کی بنیاد پر یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق ایک ہی واقع ہوتی ہے ۔قرآن، سنت، اجماع اور فقہی اصولوں، شرعی مقاصد اور مصالح کے دلائل کی بنیاد پر تین طلاق کے ایک ہی ہونے کا قول زیادہ

درست ہے۔لہذا ان دلائل کو محض مسلک کے متداول فتاویٰ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ردّ کرنا درست رویہ نہیں۔مسلک دین سے بڑا نہیں ہوسکتا ہے۔مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ اس کے سامنے جب حق واضح ہوجائے تو اسے قبول کرلے۔ ان دلائل کا کچھ تفصیل سے ذکر ہم مضمون کے آخر میں کریں گے۔

ایک مجلس کی تین طلاق اور حنفی علماء بالخصوص مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ذمہ داران کی خدمت میں غور وفکر کے چند زاویے

تین طلاق کے مسئلہ میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے موقف کی وجہ سے پورا کا پورا پرسنل لاء خطرہ میں پڑ گیا ہے۔بورڈ کا موقف حکومت کے لیے ایک دروازہ ہے جسکی وجہ سے حکومت کو پورے پرسنل لاء میں مداخلت کا موقع مل رہا ہے۔پرسنل لاء میں حکومت کی مداخلت روکنے کے لیے ضروری ہے کہ بورڈ خود اس دروازے کو بند کردے۔حکومت جب جبر کرنے پر آئے گی تو معاملہ صرف تین طلاق پر ہی نہیں رکے گا ، پرسنل لاء کے دوسرے قوانین بھی اس کی زد میں آئیں گے۔

ملک کے سیاسی حالات کے پیش نظر علماء احناف کو خود اپنے مسلکی اصولوں کی روشنی میں غور کرنا چاہیے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے کیلئے حنفی مسلک کے اصولوں اور قدیم وجدید علماء کے اجتہادات کی روشنی میں کس حد تک گنجائش موجود ہے۔

اس حوالے سے کچھ زاویے ہیں جن پر حنفی علماء کو غور کرنے کی ضرورت ہے :

● اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے چلے آرہے اکٹھی تین طلاقوں کے ایک ہونے کے قانون کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ مصلحتوں کے تحت تبدیل کرکے تین کے تین ہونے کا فیصلہ کرسکتے ہیں تو موجودہ صورت حال میں تین کے تین نافذ کرنے پر ہونے والے واضح مفاسد کے پیش نظر علماء جو اولوالامر کے درجہ میں ہیں تین کو ایک کیوں نہیں قرار دے سکتے ہیں؟

● حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جو صورت حال تھی موجودہ صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔صورت حال کی اس تبدیلی کا اثر حکم پر کیوں نہیں پڑ سکتا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں نکاح کے معاملے میں عورت کی حیثیت فریق غالب کی ہوتی تھی۔نکاح کے بدلے بھاری مہر ادا کیا جاتا تھا۔احادیث میں باغات جیسی قیمتی شئی مہر میں دینے کا ذکر کئی واقعات میں ملتا ہے۔تین طلاق کو تین نافذ کرنے کی صورت میں مہر کی یہ اچھی خاصی رقم شوہر کے ہاتھ سے نکل کر بیوی کے ہاتھ میں جاتی اور خود بیوی بھی ہاتھ سے چلی جاتی۔بیوی سے ہونے والے بچوں کی کفالت بھی پوری کفالت شوہر ہی کے ذمہ ہوتی۔اس طرح تین کو تین نافذ کرنے کی صورت میں مرد کے لیے بڑا نقصان تھا۔یہی نقصان اس کی سزا تھی۔کیونکہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے والا شریعت کے احکام کے ساتھ کھلواڑ کرتا ہے اور بدعت کا ارتکاب کرتا ہے اس لیے اُس پر حضرت عمر نے یہ سزا نافذ کی۔

حضرت عمر کے معاشرہ میں تین طلاقوں کو تین نافذ کرنا خواتین کے حق میں زیادہ نقصاندہ نہیں تھا۔کیونکہ اس معاشرے میں مرد ایک سے زائد شادی کرتے تھے اس لیے مطلقہ عورتوں کی شادی آسانی سے ہوجاتی تھی ۔ بلکہ طلاق کی عدت ہی کے درمیان رشتے آنے شروع ہوجاتے تھے۔یہ رشتے اتنی کثرت سے آتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیات نازل فرماکر عدّت کے درمیان نکاح کا پیغام دینے پر روک لگادی۔(البقرہ، 235) عورتیں نئے نکاح کی صورت میں دوبارہ نئے مہر کی حقدار ہوجاتیں۔جبکہ سابقہ شوہر کو دوبارہ شادی کرنے لیے پھر سے نئے مہر کا انتظام کرنا پڑتا۔طلاق کی صورت میں بچوں کی کفالت شوہر کے ذمہ ہوتی۔

لیکن ہمارے دور کی صورت حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کی صورت حال سے قطعی مختلف ہے۔ہمارے یہاں

طلاق کے واقع ہونے کی صورت میں مرد کو بہت زیادہ پریشانیاں پیش نہیں آتی۔شادی کے لیے دوسرا رشتہ اس کو بآسانی مل جاتا ہے۔مہر کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اوّل تو مطلقہ بیوی کو مہر ادا نہیں کیا جاتا بلکہ جہیز میں لایا ہوا اس کا سامان بھی رکھ لیا جاتا ہے۔اگر مہر ادا کیا بھی جاتا ہے تو اس کی قدر اتنی کم ہوتی ہے کہ نہ شوہر اس کے ادا کرنے میں کسی طرح کا حرج میں محسوس کرتا ہے اور نہ ہی عورت کے لیے وہ کچھ خاص فائدہ کا ہوتا ہے۔

مطلقہ عورت کے لیے طلاق کے بعد دوسری شادی انتہائی مشکل ہے۔اگر طلاق کے بعد اولاد بھی ہو تو مناسب رشتہ ملنا ناممکن کی حد تک دشوار ہے۔ہمارے یہاں کنواری لڑکیوں کی ہی بہت بڑی تعداد مناسب رشتے کے انتظار میں بے نکاح بیٹھی ہوئی ہیں۔وہ عورتیں جن کی دامن پر طلاق کا داغ لگ چکا ہو ان کے لیے مناسب رشتے کہاں سے آئیں گے۔مطلقہ عورت نکاح کرنا بھی چاہے تو مناسب رشتے ملنے سے لے کر اُس نئے رشتے کے لیے بھاری بھرکم جہیز کی فراہمی جیسے مسائل موجود ہوتے ہیں۔طلاق کے بعد بچّوں بالخصوص بیٹیوں کی کفالت کی ذمہ داری شوہر قبول نہیں کرتا۔یہ بوجھ بھی مطلقہ عورت اور اس کے اہل خانہ ہی کو اٹھانا پڑتا ہے۔

اس پوری صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کے برخلاف ہمارے زمانہ میں اکٹھی تین طلاقوں کو تین نافذ کرنے کا فیصلہ مرد کے بجائے عورت کے حق میں تعزیر ہو جاتا ہے جس کا کوئی جرم نہیں ۔ لہٰذا حضرت عمر کے فیصلے کو من وعن اس معاشرے میں نافذ کرنا قطعی طور پر ظلم ہے۔

صورت حال کی تبدیلی سے حکم کی تبدیلی اور اپنے مذہب سے عدول کی مثال ہندستان کے حنفی علماء کے یہاں نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق کے مسئلہ میں ملتی ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نشہ کی حالت میں طلاق کے وقوع کے قائل ہیں لیکن اس دور کے بہت سارے حنفی علماء عرف کی اس تبدیلی کے سبب نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق کے واقع نہ ہونے کے قائل ہیں۔موجودہ دور میں حنفی مسلک کے جید عالم دین اور فقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی رقمطراز ہیں:

"یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ہندستان دارالاسلام نہیں دار الکفر ہے۔یہاں نہ شراب کے کارخانوں پر پابندی ہے نہ مے خانوں پر، جہالت اور بددینی کی وجہ سے بہت سارے مسلمان اس بری عادت میں مبتلا ہیں، ہندستان کے سماجی حالات کچھ ایسے ہیں کہ طلاق کا نقصان مرد سے کہیں زیادہ عورت کو پہنچتا ہے۔خاص کر اگر مرد فاسق وفاجر ہو تو وہ چند روز ہی میں دوسری شادی رچا سکتا ہے۔لیکن بے چاری عورت کا حال یہ ہے کہ کنواری لڑکیوں ہی کا رشتہ تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔مطلقہ عورتوں کا رشتہ ملنا یوں بھی دشوار ہے اور ہندو سماج سے متاثر ہونے کی وجہ سے اسے منحوس بھی سمجھا جاتا ہے، اس لیے خدا ناترس شوہر سے جدائی کے بعد اس کی زندگی اس کے لیے بوجھ بن جاتی ہے اور بعض اوقات اپنے بچّوں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ان حالات میں کیا نشہ کی طلاق کے سلسلہ میں اس رائے کو قبول کیا جاسکتا ہے جس کے مطابق نشہ میں مبتلا شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔کیونکہ فقہاء نے بوقت ضرورت دوسری فقہ کی طرف عدول اور مذہب کے قول ضعیف پر بھی عمل کی اجازت دی ہے اور متقدمین اور متاخرین نیز علماء ہند کے یہاں اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں۔(حالت نشہ کی طلاق: موجودہ حالات کے پس منظر میں، ایفا پبلیکیشنز، پیش لفظ از خالد سیف اللہ رحمانی صفحہ 10، 11)

صورت حال کی اس تبدیلی کی بنیاد پر فقہ اکیڈمی کی اکثریت یعنی کل چوبیس علماء نے جن میں دو علماء کے علاوہ سارے ہندستان میں حنفی مکتب فکر کے جیّد اور فقیہ علماء ہیں یہ فیصلہ سنایا کہ جس نے

جان بوجھ کر اپنی رضامندی سے نشہ آور حرام چیز کا استعمال کیا اور اسی نشہ کی شدید حالت میں ہوش اور حواس گم ہوجانے کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اس مسئلہ میں خود مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا فتویٰ بھی طلاق کے عدم وقوع کا ہے۔ بلکہ اس موقف کا سب سے پہلے اظہار مولانا ہی نے اپنی کتاب "جدید فقہی مسائل" میں کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جس طرح نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق کو نافذ کرنے کا مقصد شرابی کی تعزیر تھی اسی طرح حضرت عمر کا اکٹھی تین طلاقوں کا تین نافذ کرنے کا فیصلہ بھی تین طلاق دینے والے کے لیے سزا کے طور پر تھا۔ اگر حالات کی تبدیلی کی وجہ سے نشہ کی حالت میں طلاق کا موقف کو چھوڑ کر عدم طلاق کا موقف اختیار کیا جاسکتا ہے تو یہی رویہ ایک مجلس کی تین طلاق کے معاملہ میں کیوں نہیں اختیار کیا جاسکتا؟

● ہندستان کے حنفی علماء کے یہاں حنفی مذہب سے عدول کرکے دوسرے مذہب کی رائے اختیار کرنے کی ایک اور مثال فسخ نکاح کے سلسلہ میں ملتی ہے۔ حنفی فقہ میں عورت کو فسخ طلب کرنے کا اختیار صرف ایک ہی صورت میں، جب اس کا شوہر ہم بستری پر قادر نہ ہو۔ اس میں بھی یہ شرط ہے کہ اگر زندگی میں کبھی ایک بار بھی ہم بستری پر قادر ہوا تو طلب فسخ کا اختیار عورت کے پاس نہیں رہ جاتا۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے زمانہ میں یہ مسئلہ خطرناک صورت اختیار کرگیا۔ مفتی حضرات سے طلب فسخ کی اجازت نہ ملنے پر عورتوں نے شوہروں سے نجات حاصل کرنے لیے مرتد ہونا شروع کردیا۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے مسئلہ کی حساسیت کو سمجھتے ہوئے قدم آگے بڑھایا اور حرمین شریفین کے مالکی علماء سے اس مسئلہ پر تفصیلی فتوے طلب کیے۔ ان فتاویٰ کو مرتب کرکے ملک کے معروف علماء سے تائید وتوثیق حاصل کی۔ پھر اصل فتووں کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ ''الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ'' کے نام سے شائع فرمادیا۔ اس مجموعہ میں تین اسباب کا اضافہ فقہ مالکی سے لے کر کیا گیا۔

1) شوہر اگر مفقود الخبر ہو۔

2) یا غائب مفقود الخبر ہو یعنی بالکل لاپتہ نہ ہو لیکن بھاگا بھاگا رہتا ہو اور متعین جائے قرار نہ ہو۔

3) قدرت کے باوجود نفقہ ادا نہ کرتا ہو۔

اس سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے مولانا عبد الصمد رحمانی نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ نے مزید تین اسباب فسخ کا اضافہ اپنی کتاب ''الفسخ والتفریق'' میں فرمایا اس میں بعض اسباب فسخ فقہ مالکی سے لیے گئے ہیں، بعض میں صاحبین کی رائے لی گئی ہے:

1) جو شوہر نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو اور اپنی تنگ دستی کی بنیاد پر نفقہ ادا نہ کرپاتا ہو، بیوی کے مطالبہ پر اس کا نکاح بھی فسخ کردیا جائے گا۔

2) شوہر کی طرف سے بیوی کے خصوصی حق کی عدم ادائیگی کو بھی سبب فسخ قرار دیا گیا، اگرچہ وہ اس سے پہلے قربت کرچکا ہو۔

3) شوہر کا بیوی کو تکلیف دہ حد تک مار پیٹ کرنا بھی اسبابِ فسخ میں شامل کیا گیا۔

اس کے بعد شقاق (مرد کی طرف سے زیادتی ثابت نہ ہو؛ لیکن بیوی کو کسی بھی وجہ سے شوہر سے ایسی نفرت پیدا ہوگئی ہو کہ وہ اس کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ ہو)، تغریر (شوہر نے نکاح سے پہلے اپنی حیثیت کے بارے میں غلط باور کرایا ہو) اور ایڈس جیسے بعض امراض کو بھی کو بھی ان اسباب میں شامل کیا گیا جن کی وجہ سے عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر فسخ نکاح کے معاملہ میں اُس دور کی مشکلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے مذہب کے علاوہ دیگر مذاہب سے استفادہ کیا گیا تو تین طلاق کے مسئلہ میں بھی اس کی گنجائش کیوں نہیں ہے۔ حالانکہ اس وقت صورت حال کا تقاضہ

اس دور سے بھی زیادہ شدید ہے۔ تین طلاق کے متعلق حنفی مسلک کے موقف کی وجہ سے سوشل میڈیا سے لے کر الیکٹرانک میڈیا تک اسلام کی بدنامی کا سبب بن رہا ہے۔حکومت نے اس ایک موقف کی وجہ سے پورے کے پورے پرسنل لاء کو کٹھہرے میں کھڑا کر دیا ہے۔اکٹھی تین طلاق کا شکار ہونے والی خواتین مسلم مہیلا منڈل کی دین بے زار اور ملحد خواتین کے چنگل میں پھنستی جارہی ہیں اور دن بدن ایسی خواتین کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہے۔داخلی سطح پر اس کی وجہ سے حلالہ کی شکل میں منظم زنا کی لعنت فروغ پارہی ہے اور آہستہ آستہ ایک منظم انڈسٹری کی شکل اختیار کرچکی ہے، جس کو روکنے کا کوئی راستہ نہیں دکھائی دے رہا۔ بقیہ مطلقہ خواتین کے لیے تنہا زندگی گذارنے کی جو دشواریاں ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ان سارے مفاسد کو سامنے رکھتے ہوئے اگر حنفی علماء ایک مجلس کی تین طلاق کے بارے میں ان علماء کے موقف کو تسلیم کیوں نہیں کرسکتے جو اکٹھی تین طلاقوں کے ایک ہونے کے قائل ہیں۔

تین طلاق کا موقف بھی کوئی شاذ موقف نہیں۔اللہ کے رسول ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پورے دور خلافت اور حضرت عمر کے دور خلاف کے ابتدائی دو سالوں میں اکٹھی تین طلاقوں کے ایک ہونے پر اجماع رہا ہے۔صحابہ میں حضرت ابوبکر، عبدالرحمٰن ابن عوف، زبیر بن عوام، علی ابن طالب، عبداللہ ابن عباس مشہور فقہاء میں عکرمہ مولیٰ ابن عباس، طاؤس، حجاج بن ارطاۃ، جعفر صادق، محمد بن مقاتل الرازی، داؤد ظاہری، مجد ابن تیمیہ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن القیم، ابن حجر، ابن کثیر، ابن رجب حنبلی، امام نووی ہندستانی علماء میں صدیق حسن خاں بھوپالی، شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی، علامہ شمس الحق عظیم آبادی ماضی قریب کے علماء میں سید رشید رضا مصری، شیخ ابن باز، شیخ ابن عثیمین، شیخ الالبانی، جمال الدین قاسمی، کا موقف ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا ہے۔جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے مشارک استاذ دکتور سلیمان بن عبداللہ العمیر نے اپنی کتاب "**تسمیة المفتین بان الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة**" میں حضرت ابوبکر سے لے کر 1417ھ ہجری میں وفات پانے والے شیخ عبداللہ بن زید آل محمود تک 53 علماء کے نام حوالوں کے ساتھ پیش کیے ہیں جو ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے ایک ہونے کے قائل ہیں۔شیخ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے اپنی کتاب **''مشاہیر اُمّت اور پاک وہند کے متعدد علماء احناف کی نظر میں ایک مجلس میں تین طلاقیں اوراس کا شرعی حل''** میں قدیم فقہاء سمیت ہندستان کے کئی حنفی علماء کرام کے نام ان کے فتاویٰ کے ساتھ درج کیے ہیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کے قائل ہیں۔

- حنابلہ کا مسلک بھی اکٹھی تین طلاقوں کو تین ماننے کا ہے۔ پھر بھی اس دور کے بیشتر حنبلی علماء امام ابن تیمیہ اور امام ابن القیم رحمہ اللہ کے موقف کی بنیاد پر اکٹھی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ان میں میں شیخ ابن باز اور شیخ ابن عثیمین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اگر حنبلی علماء دلائل اور مصالح کے پیش نظر اپنے مسلک کے متداول فتاویٰ کے خلاف فتویٰ دے سکتے ہیں تو ہندستان کے حنفی علماء جن کے یہاں مصلحتوں کا تقاضہ اور بھی زیادہ شدید ہے وہ اپنے موقف میں لچک کیوں نہیں پیدا کرسکتے۔
- حنفی فقہ میں حیل کا باب بہت وسیع ہے۔حنفی علماء مختلف معاملات میں اس کو اختیار بھی کرتے رہتے ہیں۔انفرادی سطح پر حنفی علماء اکٹھی تین طلاق دینے والوں کو اہل حدیث علماء کی طرف رجوع کرنے اور ان سے فتویٰ لینے کا مشورہ دیتے رہے ہیں۔اگر حنفی مسلک میں اس بات کی گنجائش موجود ہے تو اس کا عام حکم دے کر باقاعدہ قوانین میں کیوں نہیں شامل کیا جاسکتا؟
- تین طلاق دینے والوں کی بڑی تعداد دین اور دینی علم

سے دور ہوتی ہے۔اکثریت طلاق دینے کے صحیح طریقہ کار سے واقف نہیں ہوتی۔ بہت سارے لوگوں کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ عورت کو مکمّل جدا کرنے کیلئے تین طلاق دینا لازمی ہے۔طلاق جیسے حساس مسئلہ میں جہالت کو عذر مان کر اکٹھی دی گئی تین طلاقوں کو ایک کیوں نہیں شمار کیا جاسکتا؟ ایسے جاہل شخص کا معاملہ اس شخص ہی کی طرح ہے جس نے ایک طلاق دینے کے بعد تاکید کے مقصد سے مزید دو طلاقیں دے دی ہوں۔اس صورت میں حنفی علماء بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر تاکید کے مقصد سے دوسری اور تیسری بار طلاق بولنے والا یہ اقرار کرے کا کہ تکرار سے اس کا مقصد تاکید پیدا کرنا تھا تو ایک ہی طلاق شمار کی جائے گی۔

ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ہونے کے دلائل:

قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں صحیح اور راجح قول یہی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی واقع ہوتی ہے لہٰذا محض مسلکی تعصب کی بنا پر ان دلائل کا انکار نہ کیا جائے۔ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق کے ایک واقع ہونے کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

قرآن سے دلیل:

:الطلاق مرتان (البقرۃ:۲۲۹)

''طلاق دو مرتبہ ہے۔''

لغت عربی میں لفظ مرۃ کا معنی دفعۃ بعد دفعۃ ہے۔یعنی ایک کام کو کرنے کے بعد وقفہ کرکے پھر اس کام کو دوبارہ سر انجام دینا۔ یہی مفہوم قرآن حکیم کی اس آیت سے بھی واضح ہوتا ہے:

یاأیها الذین أمنوا لیستئذنکم الذین ملکت أیمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلث مرات من قبل صلاۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظهیرۃ ومن بعد صلاۃ العشاء ثلث عورات لکم۔ (النور :58) ترجمہ:اے اہل ایمان! تمہارے غلام اور نابالغ بچے بھی تم سے تین دفعہ اجازت طلب کریں۔نماز فجر سے قبل، جب تم ظہر کے وقت اپنا لباس اتارتے ہو، اور نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے لفظ مرات استعمال کیا ہے جو کہ مرۃ کی جمع ہے۔اور پھر اللہ تعالی نے خود ہی اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تین مختلف اوقات بیان کیے ہیں جو کہ ایک دوسرے سے کافی دور ہیں۔اور الطلاق مرتان میں لفظ مرتان استعمال ہوا ہے جو کہ مرۃ کی تثنیہ ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ طلاق دو مرتبہ وقفہ وقفہ کے ساتھ ہے جس کے بعد مرد کو رجوع کا حق حاصل ہے۔

اس آیت مبارکہ میں 'طلقتان' یعنی دو طلاقیں نہیں کہا ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ طلاق دو مرتبہ ہے یعنی ایک بار ایک طلاق ہے اور پھر دوسری بار کسی دوسرے وقت میں دوسری طلاق ہوگی۔پس ایک وقت میں ایک ہی طلاق جائز ہے۔اس کے بعد دی گئی طلاق کیونکہ شریعت میں طے کیے گئے وقت سے پہلے ہے اس لیے مردود ہونی چاہیے۔

سنّت سے دلیل:

عن ابن عباس قال طلق رکانۃ بن عبد یزید أخو بن مطلب امرأته ثلاثا فی مجلس واحد، فحزن علیها حزنا شدیدا، قال: فسأله رسول الله صلی الله علیه وسلم: کیف طلقتها؟ قال: طلقتها ثلاثا، قال: فقال: فی مجلس واحد؟ قال: نعم، قال: فانما تلک واحدۃ، فارجعها ان شئت، قال: فرجعها، فکان ابن عباس یری انما الطلاق عند کل طهر۔ (مسند احمد: ۴/ ۲۱۵، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں اور اس پر شدید غمگین ہوئے۔ راوی کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان صحابی سے

دریافت فرمایا: تم نے اپنی بیوی کو کیسے طلاق دی ہے؟ حضرت رکانہ نے عرض کیا: میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کیا ایک ہی وقت میں تین طلاقیں؟ رکانہ نے عرض کی: جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: یہ صرف ایک ہی طلاق ہے۔ پس اگر تو چاہتا ہے تو اپنی بیوی سے رجوع کر لے۔ پس رکانہ ﷺ نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔ ابن عباس کا کہنا تھا کہ ہر طہر میں ایک طلاق ہوگی۔ (یعنی خاوند نے اگر تین طلاقیں دینی ہو تو ایک ساتھ دینے کی بجائے ہر طہر میں ایک طلاق دے گا یعنی ایک ایک مہینے کے وقفے کے ساتھ دوسری اور تیسری طلاق دے گا)۔''

اجماع سے دلیل:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کان الطلاق علی عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبی بكر وسنتين من خلافة عمر، طلاق الثلاث واحدة۔ فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی أمر قد كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليه فأمضاه عليهم۔ (صحيح مسلم، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ پس حضرت عمر نے کہا کہ لوگوں نے طلاق کے معاملے میں جلدی کی ہے (یعنی ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینے لگے ہیں) حالانکہ انہیں اس بارے مہلت دی گئی تھی (کہ وہ تین طہر یا تین مہینوں میں تین طلاقیں دیں)۔ پس اگر ہم ایسے لوگوں پر تین طلاقیں جاری کر دیں۔ پس حضرت عمر نے انہیں تین طلاقوں کے طور جاری کر دیا۔''

صحیح مسلم کی یہ حدیث ایک طرف اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں تو دوسری طرف یہ بات بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ اللہ کے رسول کے بعد حضرت ابوبکر کے پورے دور خلافت اور حضرت عمر کی خلافت میں دو سال تک ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے ایک شمار کرنے پر امّت کا اجماع رہا ہے۔ اور اجماع شریعت کی ایسی دلیل ہے جو منسوخ نہیں ہوسکتی۔

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں کتاب الطلاق باب من أجاز طلاق الثلاث کے تحت رقمطراز ہیں کہ: **وهذا الحديث نص فی المسئلة لايقبل التأويل الذی فی غيره من الروايات**

ترجمہ: اس حدیث نے مسئلہ کی ایسی وضاحت کی ہے کہ جس میں اس تاویل کی گنجائش باقی نہیں ہے جو کہ دوسری روایات میں کی جاتی ہے۔

کیا حضرت عمر کے زمانہ میں ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ہونے پر اجماع ہوگیا ہے؟

قرآن وسنت کے ان سارے دلائل کے جواب میں احناف کے نزدیک اپنے موقف کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے کا فیصلہ کیا اور صحابہ اس فیصلہ سے راضی ہوگئے لہذا حضرت عمر کے دور ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے پر اجماع ہوگیا۔ اس دلیل کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ:

اجماع کی تعریف ہے۔ **اتفاق مجتهدي هذه الأمة بعد النبي صلى الله عليه وسلم على حكم شرعي۔** یعنی اس امّت کے مجتہدین کا اللہ کے نبی ﷺ کے بعد کسی حکم شرعی پر متفق ہوجانا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ماننے کا فتویٰ نہیں دیا تھا۔ نہ اس ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ماننے کو شرعی حکم قرار دیا تھا۔ ان کا فیصلہ وقتی مصلحتوں کی

وجہ سے ایک عبوری اور وقتی فیصلہ تھا جس کی حیثیت صدارتی آرڈیننس (ordinance) کی تھی۔ اصحابہ کی اس عارضی فیصلہ پر خاموشی اس لیے تھی کہ یہ خلیفہ وقت کا ایک سیاسی فیصلہ ہے جو شرعی حکم کے خلاف وقتی مصلحتوں کے پیش نظر دیا گیا ہے۔ لہذا جب یہ فیصلہ شرعی حکم تھا ہی نہیں تو اس پر اجماع کا دعویٰ غلط ہے۔

ایسے فیصلے کی ایک نظیر ہمارے دور میں سعودی حکومت کا پانچ سال میں صرف ایک بار حج کی اجازت کا فیصلہ ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ شریعت صاحب استطاعت کو ہر سال حج کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ لیکن حکومتِ وقت نے انتظامی نزاکتوں کے پیش نظر پانچ سال میں صرف ایک بار حج کرنے کی اجازت دی ہے۔ حکومت کا یہ فیصلہ کوئی شرعی حکم نہیں۔ خود حکومت نے بھی اس کو شرعی حکم نہیں قرار دیا۔ بلکہ ایک عارضی انتظامی فیصلہ قرار دیا ہے۔

حضرت ابن عباس کی روایت سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر کے پورے دور خلافت اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے پر اجماع تھا۔ شریعت میں اجماع ایسی دلیل ہے جو منسوخ نہیں ہوسکتی۔ نہ ایک اجماع منعقد ہوجانے کے بعد اس کے خلاف کوئی دوسرا اجماع منعقد ہوسکتا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ولا يمكن أن يكون الناسخ للإجماع إجماعا آخر ; لأن هذا الإجماع الثاني إن كان لا عن دليل فهو خطأ، وإن كان عن دليل، فذلك يستلزم أن يكون الإجماع الأول خطأ، والإجماع لا يكون خطأ، فبهذا يستحيل أن يكون الإجماع ناسخا أو منسوخا

یہ ممکن نہیں کہ اجماع کو کوئی دوسرا اجماع منسوخ کردے۔ کیونکہ اگر یہ دوسرا اجماع کسی دلیل کے بغیر ہی منعقد ہوگیا ہے تو غلط ہے۔ اگر دلیل کی بنیاد پر ہوا ہے تو اس کا مطلب پہلا اجماع غلط تھا۔ لہذا پہلا اجماع واقع ہی نہیں ہوا تھا۔ لہذا یہ ناممکن ہے کہ اجماع ناسخ ہو یا منسوخ ہو۔ (**إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول**)

لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو شرعی حکم قرار دے کر صحابہ کی اس پر خاموشی کو اجماع باور کرانا شرعی اصولوں کے خلاف ہے۔

شرعی اصول کی روشنی میں

ایک مجلس میں ایک سے زائد طلاق دینا بدعت ہے۔ شوہر اگر اپنی بیوی کو الگ کرنا چاہتا ہے تو صرف ایک طلاق دے کر خود سے جدا کرسکتا ہے۔ طلاق سنّت کا طریقہ یہی ہے کہ شوہر ایسے طہر میں جس میں اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری نہ کی ہو ایک طلاق دے۔ عورت کے عدّت کے درمیان چاہے تو رجوع کرلے۔ عدّت ختم ہونے کے بعد وہ عورت اس کی زوجیت سے نکل جائے گی۔

ایک ہی مجلس میں ایک سے زائد طلاق دینا بدعت اور شریعت کے خلاف ہے اور بدعت کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ مردود ہے۔ لہذا ایک مجلس کی تین طلاق کو مردود قرار دیا جانا چاہیے۔

طلاق بدعت قبول نہ کرنے کی ایک مثال خود اللہ کے نبی ﷺ سے منقول ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں حیض کی حالت میں دی گئی طلاق کو شمار نہیں کیا۔

عن مولى عروة، يسأل ابن عمر، وأبو الزبير يسمع، قال: كيف ترى في رجل طلق امرأته حائضا؟ قال: طلق عبد الله بن عمر امرأته، وهي حائض على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فسأل عمر رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: إن عبد الله بن عمر طلق امرأته، وهي حائض، قال عبد الله: فردها علي، ولم يرها شيئا، وقال: إذا طهرت فليطلق أو ليمسك، قال ابن عمر: وقرأ النبي صلى الله عليه وسلم " (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء

فطلقوھن) (الطلاق 1) فی قبل عدتھن۔

عبدالرحمٰن بن ایمن مولیٰ عروہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا اور ابوالزبیر سن رہے تھے، کہا کہ آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے اپنی بیوی کو حیض کے دنوں میں طلاق دی ہو؟ انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اپنی بیوی کو حیض کے دنوں میں طلاق دے دی تھی۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے حالانکہ وہ حیض سے ہے۔ تو عبداللہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس بیوی کو مجھ پر لوٹا دیا اور اسے کچھ نہ سمجھا۔ اور فرمایا جب یہ پاک ہو جائے تو پھر طلاق دے یا روک لے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (اس طرح) پڑھا **یا ایھا النبی إذا طلقتم النساء فطلقوھن فی قبل عدتھن** اے نبی! جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو انہیں ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو۔ (سنن أبی داود 2/256 رقم 2185)

آپ ﷺ کے اس فیصلہ کی بنا پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ دوسرے لوگوں کو بھی یہ فتوی دیتے تھے کہ حالت حیض میں دی گئی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

عن ابن عمر أنه قال فی الرجل يطلق امرأته وهی حائض قال ابن عمر لا یعتد لذلک

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس شخص کے بارے میں کہتے جو اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیتا کہ اس کا کوئی شمار نہیں (المحلی لابن حزم: 10/163)

شرعی مقاصد سے موافقت

طلاق سے متعلق شریعت نے جو قانون سازی کی ہے اس کا اصل مقصد نکاح کے رشتے کو ٹوٹنے سے بچانا ہے۔ کیونکہ نکاح ایسا اہم رشتہ ہے جس پر صرف میاں بیوی ہی نہیں ان کے بچوں اور خاندانوں کا انحصار ہوتا ہے اس عظیم رشتہ کو زبان سے نکلنے والے تین الفاظ کے ساتھ رجوع کی مہلت دیے بغیر یک بارگی ختم کر دینا اسلام کے مزاج کے موافق کیسے ہوسکتا ہے۔ اسلام نکاح کے اس رشتے کی اہمیت کے پیش نظر یہ چاہتا ہے کہ انسان کو فیصلہ لینے کے بعد بھی غور وفکر کی مہلت دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے زمانہ جاہیت سے چلے آرہے" ظہار" کو منسوخ کر دیا۔ ظہار طلاق کا ایک طریقہ تھا۔ جس میں شوہر اپنی بیوی سے کہتا انت علیّ کظھر امّی۔ زبان سے نکلنے والے اس ایک جملے کے ساتھ ہی بیوی بغیر کسی مہلت اور رجوع کے اختیار کے شوہر پر ہمیشہ ہمیش کے لیے حرام ہوجاتی۔ شریعت کے نزول کے وقت طلاق کا یہ طریقہ باقی رہا۔ پھر ایک عظیم صحابیہ سے ساتھ جب ظھار کا معاملہ پیش آیا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طلاق کے واقع ہوجانے کا فیصلہ سنایا۔ صحابیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے مایوس ہوکر اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے اور ان کی دعا کے نتیجہ میں ظھار کا حکم منسوخ کیا گیا اور اس کے کرنے والے کے لیے کفارہ کا حکم نازل کیا گیا۔ * نکاح کے رشتہ کو بغیر مہلت دیے ایک بار میں ختم کر دینا اگر اسلام کے مقصود سے کسی بھی طور پر موافق ہوتا تو ظہار کا حکم منسوخ ہی کیوں کیا جاتا۔*

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق از روئے شریعت ایک ہی شمار کی جانی چاہیے۔ یہی شریعت کا حکم ہے۔ یہی بات قرآن وسنّت کے نصوص کے موافق اور سماج کی مصلحتوں کے مطابق ہے۔

یہ بہت ہی اجمال کے ساتھ تین طلاق کے مسئلہ میں اہل حدیث کے موقف کی وضاحت تھی۔ امید ہے کہ ہمارے ملک کے حنفی علماء بالخصوص مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ذمہ داران ان گذارشات پر غور فرمائیں گے اور تین طلاق کے متعلق اپنے موقف پر نظر ثانی فرمائیں گے۔ اللہ ہم سب کو حق قبول کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

❖ ❖ ❖

دعوتی سرگرمیاں

”آزادیٔ وطن میں اتحاد و یکجہتی کا کردار“

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی ایک عظیم الشان کانفرنس

دفتر صوبائی جمعیت

فرقہ پرستی، تعصب اور نفرت کی سیاست ایک ایسا زہر ہے جو کسی بھی قوم یا ملک کو تباہی سے دوچار کرسکتا ہے، اس لئے اس ماحول کے خاتمے کی کوشش اور رواداری و یکجہتی کو فروغ دینے کی جدوجہد ہر باشعور شہری اور تمام ذمہ داراداروں کا اخلاقی و انسانی فریضہ ہے، اسی کے پیش نظر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی وقتاً فوقتاً مختلف قسم کے پروگراموں کا انعقاد کرتے رہتی ہے اور اس بات کے لئے کوشاں رہتی ہے کہ مختلف طبقات اور مذاہب کے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرکے ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع فراہم کرے نیز اس مشن کو آگے بڑھانے کے لئے ایک تحریک بھی پیدا کرسکے جس کی موجودہ دور میں خاص اہمیت ہے لہٰذا اسی اہم ترین مقصد کے تحت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے زیر اہتمام 20/اگست 2017 کو ایک عظیم الشان کانفرنس بعنوان: **”آزادیٔ وطن میں اتحاد و یکجہتی کا کردار“** بمقام: **”ڈائمنڈ ہال، کھڑی مشین روڈ، کوسہ ممبرا“** منعقد کی گئی، جس میں ملک کے نامور علماء، صحافی اور دانشورانِ قوم نے شرکت کی اور مختلف موضوعات پر اپنے گرانقدر خیالات کا اظہار کیا جن میں سے کچھ اہم عناوین حسب ذیل تھے:

(۱) امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کا تصور ملک وملت
(۲) دیش کی آزادی میں قومی اتحاد کا رول
(۳) تعمیر وطن میں مسلمانوں کا کردار
(۴) مجاہدین آزادی اور آزاد ہندوستان
(۵) وطن کی آزادی کے لئے جماعت اہل حدیث کی قربانیاں
(۶) ملک میں رواداری کی روایت اور اہمیت
(۷) دہشت گردی کا خاتمہ کیسے؟
(۸) آزادیٔ وطن قربانیاں اور ذمہ داریاں

ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی اور مخالفین کے خلاف پر تشدد کاروائیوں پر مقررین نے اپنی گہری تشویش اور فکرمندی کا اظہار کیا اور اس کے سدباب کے لئے مناسب اقدامات پر زور دیا گیا۔

پہلے سیشن کا آغاز بعد نماز عصر ہوا، تلاوت قرآن نظم اور ایک طالب علم کے انگریزی میں تقریر پیش کرنے کے بعد خطبہ استقبالیہ میں شیخ ارشد سکراوی نے موضوع کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی۔

خطبۂ صدارت:

خطبہ صدارت میں مولانا عبدالسلام سلفی نے فرمایا:

آزادی کی لڑائی کسی مسلک یا مذہب کے بینر تلے نہیں تھی. اس لیے جب ملک کی آزادی کی بات ہو تو کسی مخصوص مذہب یا مسلک کے لوگوں کا تذکرہ کرنے کے بجائے ملک کے لیے قربانی دینے والے تمام مجاہدین کو یاد کیا جانا چاہیے. اس ملک کی آزادی میں جماعت اہل حدیث کے علماء اور عوام نے بھی بے مثال قربانیاں دی ہیں. حالت یہ تھی کہ انگریزی استعمار کے دور میں

وھابی اور باغی مترادف سمجھا جاتا تھا۔

مسلم حکمرانوں نے اس ملک کو سونے کی چڑیا بنایا تھا. ہندستان میں ان کا دورحکومت رواداری اور عدل کی اعلیٰ مثال ہے جس کو آج کچھ فرقہ پرست طاقتیں مسخ کرنے کی کوشش کررہی ہیں۔

شاہ اسمٰعیل کا انگریزوں کے خلاف پہلا جہاد کا فتویٰ آنے سے لے کر مولانا ابوالکلام آزاد تک اہل حدیث مجاہدین آزادی کا ایک سلسلہ ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ جیسے اس وقت اہل حدیثوں کی مخبری کی جاتی تھی، ایسے ہی آج بھی اہل حدیثوں کے خلاف جھوٹے الزامات لگائے جاتے ہیں۔سرکاری اداروں میں ان کے خلاف جھوٹی شکایتیں کی جاتی ہیں۔

جس طرح کل ملک کی محبّت میں سارے لوگوں نے ملک کی آزادی کی لڑائی لڑی تھی آج بھی ملک کی بگڑی ہوئی صورت حال کو سنبھالنے کیلئے بغیر مذھبی مسلکی تفریق کے سب کو آگے آنا چاہیے۔

خطبۂ استقبالیہ مولانا ارشد سکراوی صاحب نے پیش کیا اور مہمانوں کا پرجوش استقبال کرتے ہوئے کانفرنس کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی۔

شیخ عبدالحکیم مدنی نے "مولانا ابوالکلام آزاد کا تصور ملک وملت" کے موضوع پر خطاب میں فرمایا کہ" مولانا کا پیغام تھا کہ یہ ملک نفرتوں سے نہیں چل سکتا.اس ملک کو محبّت ہی سے چلایا جاسکتا ہے۔مولانا کی سوچ یہ تھی کہ یہ ملک یہاں کے ہندو کا ہے، مسلمان کا ہے یہاں کے دلت کا ہے، یہاں کے رہنے والے ہر فرد کا ہے یہی سوچ مولانا کے بعد مولانا کے وارث علماء کی تھی۔

شیخ عبدالحکیم مدنی کی تقریر کے بعد طلباء نے ترانۂ ہندی ''سارے جہاں سے اچھا'' پیش کیا۔

اگلا خطاب پونہ سے آئے ہوئے **شیخ ابوزید ضمیر** کا ہوا۔آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا: دین سے دوری کے اس دور میں بھی مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت دہشتگردی کی مخالف ہے۔ دہشت گردی ایک سوچ ہے۔ اگر مسلمانوں میں سے کچھ اس سوچ میں مبتلا ہیں تو دنیا کا کوئی مذہب یا نظریہ ایسا نہیں جس کے ماننے والوں میں کچھ نا کچھ افراد شدّت پسند سوچ کے شکار نہ ہوں.انہوں نے کہا کہ یہ افسوس ناک بات ہے کہ دہشت گردی پر اتنی بحثیں ہونے کے باوجود آج تک دہشت گردی کی تعریف عالمی سطح پر متعین نہیں کی جاسکی ہے۔ ہر ملک اور مکتب فکر کے یہاں دہشت گردی کی مختلف تعریف ہے۔ انہوں نے سماج کو دہشت گردی سے محفوظ رکھنے کے لیے دینی رہنماؤں، سیاسی لیڈران، قانونی ایجنسیوں کی ذمہ داریاں مختصر وقت میں جامع انداز میں بیان کیں۔ خاص کر دینی رہنماؤں کے بارے میں فرمایا کہ علماء کو چاہیے کہ نوجوانوں میں اُمیّد پیدا کرنے کی کوشش کریں۔موجودہ عالمی حالات سے پیدا ہونے والے ذہنی تناؤ کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔

مولانا حمید اللہ سلفی نے اجلاس کے دوسرے سیشن کی نظامت کے فرائض انجام دیئے، انہوں نے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا کہ جب ہندو مسلم سکھ سب نے متحد ہوکر جنگِ آزادی لڑی تو انگریز کو بھی بھاگنا پڑا، جب تک متحد نہیں تھے انگریز کو نہیں بھگا سکے تھے، متحد ہوئے تو انگریز کو بھاگنے پر مجبور کیا، لہٰذا آج بھی ملک کی ترقی کے لئے متحد ہونے کی ضرورت ہے۔

شیخ انصار زبیر محمدی نے پہلے سیشن کی نظامت کے فرائض

بخوبی انجام دیے۔

مغرب کی نماز کے بعد پہلا خطاب **شیخ محمد مقیم فیضی** کا ہوا۔ شیخ نے مسلم حکمرانوں کی مثالیں پیش کرتے ہوئے حضرت عمر کے قول کا ذکر کیا کہ عمر فاروق نے اپنے دورِ خلافت میں کہا تھا کہ اگر عراق میں کوئی خچر گر گیا تو اس کا بھی مجھ سے سوال ہوگا، نیز آپ نے اپنے بعد والے خلیفہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ اسلامک اسٹیٹ میں غیر مسلموں کا خیال رکھنا۔

شیخ نے اشاروں اشاروں میں اس منفی سوچ کا رد کیا کہ مسلمان کو تو اپنا دین سب سے پیارا ہے تو وہ ملک سے محبت کیسے کر سکتے ہیں، آپ نے کہا مولانا آزاد کہا کرتے تھے کہ ''میں مسلمان ہوں اور مجھے اس پر فخر ہے میں ہندوستانی ہوں اور مجھے اس پر فخر ہے''، لہٰذا ہم اپنے نظریہ اور عقیدے پر قائم رہتے ہوئے ہندوستان سے محبت کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے خطاب میں ہندستان کے مسلم حکمرانوں کی رواداری کا تذکرہ تاریخی حوالوں سے کیا کہ مسلم حکمرانوں نے ہندستان میں مندروں کے لیے بڑی بڑی جاگیریں مقرر کیں۔ ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے تفویض کیے۔ اور مسلم ہندو حکمرانوں میں جو جنگیں ہوئیں وہ دراصل سیاسی مقاصد کے تحت تھیں۔ انگریزوں نے ہندستانیوں میں فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے لیے تاریخ کو مسخ کیا ہے۔ نیز آپ نے جنگ آزادی میں علماء اہل حدیث کی قربانیوں کو فراموش کیے جانے پر فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، سید نذیر حسین دہلوی تحریک آزادی کے لئے گرانقدر قربانیاں دیں، بے شمار علماء اہل حدیث نے انگریزوں کی لاٹھیاں کھائیں۔ بہت سے جیل گئے، لاکھوں پھانسی کے پھندے پر جھولے لیکن آج ان کی قربانیوں کو فراموش کر دیا گیا ہے، دوسرے مسلک والے جب جنگ آزادی کی روداد بیان کرتے ہیں تو علماء اہل حدیث کا کہیں ذکر نہیں کرتے اور اس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ خود اہل حدیث حضرات بھی اپنے علماء کی قربانیوں سے ناواقف ہیں، لہٰذا اس سلسلے میں جہاں دوسروں کو انصاف سے کام لینے کی ضرورت ہے وہیں خود اپنی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دینے کی خاص ضرورت ہے۔

اس کے بعد **رمیش دھومال صاحب** (اے سی پی کلوا ممبرا زون) نے مختصر خطاب میں اس موضوع پر کانفرنس کے انعقاد پر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی تعریف اور حوصلہ افزائی کی۔

اور انھوں نے اپنے خطاب میں تاریخ کی سچائیوں کو اجاگر کرنے پر زور دیتے ہوئے اس بات کو تسلیم کیا کہ پچھلے زمانے میں ہندوستان میں جو جنگیں ہوئیں وہ مذہبی کے بجائے پولیٹکل زیادہ تھیں۔

وسیم ملک صاحب نے ہندوستان کی ڈائورسٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ڈائورسٹی ایک نعمت ہے اس کا شکر ادا کرنا چاہیے جتنے لوگ ہونگے اتنے ذہن ہونگے، جتنے لوگ ہونگے اتنے ذہن مل کر ملک کے لئے سوچیں گے۔

امتیاز خلیل صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ اس ملک کی رواداری کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ گاندھی جی زندگی بھر ہندو مذہب کے پابند رہے اور مولانا ابوالکلام آزاد زندگی بھر اسلام کے پابند رہے۔ اس کے باوجود دونوں نے مل کر ملک کو آزادی دلائی۔ یہ مثال ملک کی رواداری کے مزاج کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ کل جن لوگوں کو ان دونوں کا اتحاد پسند نہیں تھا آج

بھی وہ لوگ ہندو مسلم اتحاد کے خلاف ہیں۔

سید حسین شمسی نے کہا کہ اس طرح کے اجلاس غیر مسلم آبادیوں میں بھی ہونے چاہیے تاکہ ان کو بھی مسلمانوں کی قربانیوں کا علم ہو۔

جناب شاہد لطیف صاحب (ایڈیٹر رونامہ انقلاب) نے ملک کی ترقی کے لیے ہماری ذمہ داریوں پر خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔ ہم کو ملک کا بوجھ بتایا جارہا ہے ہم کو آگے آکر یہ بتانا پڑے گا کہ ہم کس کس طرح اس ملک کی بھلائی کے لیے اپنی ذمہ داریاں نبھارہے ہیں۔ ہم کو سیاسی جماعتوں کے بجائے اپنی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ سیاسی جماعتیں محض اپنے مفادات کے لیے کام کرتی ہیں۔ ملک کا قانون ہمارا تحفّظ کرتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ ہم بھی اس قانون کا احترام کریں۔

ظفر اللہ خان صاحب نمائندہ اردو ٹائمز نے کہا کہ ہم کو محبّت کا پیغام عام کرنا چاہیے۔

شیخ ظفر الحسن صاحب مدنی نے آزادی کی تحریک میں تاریخ کے مختلف مرحلوں میں جماعت اہل حدیث کی قربانیوں کا تذکرہ کیا۔ خاص کر علماء صادقپور اور وھابی مجاھدین کا تذکرہ کچھ اس انداز میں کیا کہ سامعین کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

سرفراز آرزو ایڈیٹر روزنامہ ہندستان نے اپنے خطاب میں کہا کہ "ملک کی تقسیم کا الزام مسلمانوں پر لگانا غلط ہے۔ انگریزوں کے وقت ملک جغرافیائی اعتبار سے ایک ملک نہیں تھا۔ ملک علیحدہ ریاستوں میں تقسیم تھا۔" آپ نے (ساورکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا کہ جو لوگ انگریزوں کی حمایت میں بیان دے رہے تھے انہیں آج آزادی کا ہیرو بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔

ڈاکٹر عظیم الدین نے کہا کہ آج بھی اتحاد کی ضرورت ہے اور اتحاد و یکجہتی کے لئے انصاف ضروری ہے۔

آخری خطاب ممبرا کے معروف سیاسی لیڈر **جتیندر اوھاڑ** کا ہوا جس میں انہوں نے تاریخی حوالوں سے مسلمانوں کی قربانی کا تذکرہ کیا۔ مزید کہا کہ کل تک جو لوگ ملک کی آزادی کے خلاف تھے آج ان کو فرقہ پرست طاقتیں آزادی کا ہیرو بنانا چاہ رہی ہیں۔ انہوں نے کہا دو قومی نظریہ سب سے پہلے ساورکر نے ۱۹۳۸ء میں پیش کیا۔

جتیندر اوھاڑ نے اپنے خطاب میں دلچسپ بات کہی کہ "اسمبلی میں کچھ لیڈروں نے کہا کہ ہم نصاب کی کتابوں میں مغلوں کی تاریخ نہیں پڑھائیں گے" تو میں نے اٹھ کر کہا "مغلوں کو اتہاس سے غائب کردیں گے تو شیواجی کو لڑائیں گے کس سے؟"

کانفرنس میں مختلف حلقوں کے کارپوریٹر حضرات، سیاسی شخصیات اور این، سی، پی کے علاقائی صدر شمیم خان صاحب اور پولیس محکمے کی اہم شخصیات موجود تھیں۔

آخر میں **مولانا عبدالجلیل انصاری مکّی** نے تشکر کے کلمات پیش کیے۔ اس سیشن کی نظامت مولانا حمید اللہ سلفی نے بخوبی انجام دی۔

شدید بارش کے باوجود کانفرنس میں شرکت کے لئے عوام کا جوش خروش دیدنی تھا پورا ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جمعیت کی طرف سے سامعین کے لئے ضیافت اور نماز کا بھی معقول انتظام کیا گیا تھا۔

❖ ❖ ❖

آئینۂ جمعیت وجماعت

جماعتی خبریں

دفتر صوبائی جمعیت

صوبائی جمعیت کے ذمہ داران ودعاۃ کی دعوتی سرگرمیاں

شیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ (امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی) کی زیر صدارت 6/ اگست کو صوبائی جمعیت کا ماہانہ اجلاس و حج تربیتی کیمپ مسجد و مدرسہ جامعۃ الرشاد (غفور خان اسٹیٹ، کرلا ویسٹ) میں منعقد ہوا، 15/ اگست کو آپ کی صدارت میں جامع مسجد اہل حدیث منشی کمپاؤنڈ (کاشی میرا، میرا روڈ ایسٹ) میں ایک جلسہ کیا گیا جس کے صدارتی کلمات میں آپ کا موضوع تھا "آزادئ وطن میں علماء اہل حدیث کی قربانیاں" اور 20/ اگست کو ڈائمنڈ ہال، ممبرا میں آپ کی صدارت میں ایک عظیم الشان کانفرنس بعنوان "آزادئ وطن میں اتحاد و یکجہتی کا کردار" صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے زیرِ اہتمام منعقد کی گئی جس میں آپ نے ولولہ انگیز خطاب کیا۔

شیخ محمد مقیم فیضی حفظہ اللہ (نائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی) کا 6/ اگست کو جامعۃ الرشاد (غفور خان اسٹیٹ، کرلا ویسٹ) میں جمعیت کے ماہانہ اجلاس و حج تربیتی کیمپ میں "موجودہ حالات میں ایمان و استقامت کی اہمیت" کے موضوع پر خطاب ہوا، 12/ اگست کو مسجد عمر (نارائن نگر، گھاٹ کوپر) میں "موجودہ حالات میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں" کے موضوع پر آپ نے تقریر کی، 13/ اگست کو حیدرآباد کی مسجد و مدرسہ اہل حدیث صفہ (معین باغ، ریاست نگر) کے سالانہ اجلاس عام میں "تربیت اولاد" پر آپ کا خطاب ہوا، 15/ اگست کو بنگلور میں صوبائی جمعیت اہل حدیث کرناٹکا کے زیرِ اہتمام اجلاس میں "آزادئ وطن میں علماء اہل حدیث کا کردار" کے موضوع پر خطاب کیا اور 20/ اگست کو ڈائمنڈ ہال ممبرا میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے، زیر اہتمام منعقد ہونے والی عظیم الشان کانفرنس بعنوان "آزادئ وطن میں اتحاد و یکجہتی کا کردار" میں آپ کا خطاب ہوا۔

شیخ عنایت اللہ سنابلی مدنی حفظہ اللہ نے 6/ اگست کو مسجد و مدرسہ جامعۃ الرشاد (غفور خان اسٹیٹ، کرلا ویسٹ) میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے ماہانہ اجلاس و حج تربیتی کیمپ میں "مقاصد حج" کے موضوع پر خطاب کیا۔

شیخ کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ کا 6/ اگست کو مسجد و مدرسہ جامعۃ الرشاد (غفور خان اسٹیٹ، کرلا ویسٹ) میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے ماہانہ اجلاس و حج تربیتی کیمپ میں "بین المذاہب رواداری کا اسلامی تصور" کے موضوع پر خطاب ہوا۔

شیخ کمال الدین سنابلی حفظہ اللہ کا 29/ جولائی کو مسجد عمر (وکھرولی، ایسٹ) میں "حج کا مسنون طریقہ اور غیر مسنون اعمال" کے موضوع پر خطاب ہوا، 1/ اگست کو مسجد اہل حدیث کالینا (کرلا ویسٹ) میں "حج سے ہم نے کیا سیکھا" کے موضوع پر تقریر کی، 4/ اگست کو نڑیاد (گجرات) کی مسجد اہل حدیث

"لاکھی" میں جمعہ کا خطبہ دیا، 4/اگست ہی کو بعد نماز مغرب نڑیاد کی نئ جامع مسجد اہل حدیث میں" قرآن مجید کی چند آیات" کی تفسیر بیان کی، اور اسی دن بعد نماز عشاء "لاکھی مسجد" (نڑیاد) میں آپ کا خطاب عام ہوا، 5/اگست کو مسجد عمر (نارائن نگر، گھاٹ کوپر) میں "حج ایسے کریں" کے موضوع پر آپ کا بیان ہوا، 12/اگست کو جامع مسجد اہل حدیث (بائکلہ) میں "سیرتِ ابن عمر" کے موضوع پر آپ کا پروگرام ہوا، 15/اگست کو جامع مسجد اہل حدیث منشی کمپاؤنڈ (کاشی میرا، میرا روڈ ایسٹ) میں" سیرت ابراہیم" کے موضوع پر آپ نے تقریر کی، 24/اگست کو امیر محترم صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے حکم پر کلیان کی ایک شافعی مسجد میں" دعوت توحید" پر خطاب کیا اور 27/اگست کو آپ نے پوئی کی مسجد اہل حدیث میں تقریر کی۔

شیخ سرفراز فیضی حفظہ اللہ کا ۱۳/اگست کو مسجد اقصیٰ یروڑا (پونہ) میں ''عظمتِ صحابہ'' کے عنوان پر خطاب ہوا۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی جانب سے حج ٹریننگ کیمپ اور ماہانہ اجلاس عام کا انعقاد

حجاج کی ذہنی اور عملی تربیت کے لیے حج ٹریننگ کیمپ کا انعقاد صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی روایت رہی ہے۔ اس روایت کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے اس سال 6/اگست بروز اتوار جامعۃ الرشاد کرلا ویسٹ میں حج تربیتی کیمپ کا انعقاد کیا گیا۔ اجلاس کی کاروائی عصر کی نماز کے بعد شروع ہوئی۔ تلاوت کلام اللہ کے بعد شیخ انصار زبیر صاحب محمدی حفظہ اللہ نے "حج کا مسنون طریقہ" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ شیخ نے پہلے حج کے ارکان، واجبات اور مسنون اعمال کی وضاحت فرمائی۔ اس کے بعد حج کا عملی طریقہ تفصیل سے بیان کیا۔ دوران خطاب شیخ نے حاجیوں سے ہونے والی عمومی غلطیوں کی بھی نشاندہی فرمائی اور اپنے طویل تجربہ کی روشنی میں حجاج کرام کو اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازا۔ خطاب کے بعد سوال جواب کے سیشن میں حجاج کرام کے سوالوں کا تشفی بخش جواب عنایت فرمایا۔

شیخ انصار زبیر محمدی کے بعد دوسرا خطاب صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی شیخ عنایت اللہ صاحب سنابلی کا "مقاصد حج" کے موضوع پر ہوا۔ شیخ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ حج اللہ کی طرف سے مشروع کی گئی عبادت ہے۔ حج توحید کا عظیم پیغام ہے۔ اس عبادت کے ذریعہ اخلاص اور تقویٰ پر بندہ کی تربیت کا انتظام کیا گیا ہے۔ حج مسلمانوں کے اتحاد اور طاقت کا مظہر بھی ہے اور اس بات کی علامت بھی کہ قوم و نسل، رنگ و زبان کی متعصّبانہ تفریق کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ کے یہاں سارے مسلمان برابر ہیں۔ ان میں اگر کوئی امتیاز ہے تو وہ تقویٰ کا ہے۔

مغرب کی نماز کے بعد اجتماع عام کی شروعات ہوئی۔ پہلا خطاب شیخ کفایت اللہ صاحب سنابلی نے "رواداری کا اسلامی تصور" کے موضوع پر فرمایا۔ شیخ نے اپنے خطاب میں اسلام غیر مسلموں کے حقوق پر روشنی ڈالتے ہوئے مذہبی روادای کے حدود کی وضاحت فرمائی۔ شیخ نے رواداری کی جائز اور ناجائز صورتوں پر روشنی ڈالی۔ شیخ نے اپنے خطاب میں کہا کہ اسلام اپنے مخالفین کے ساتھ بھی انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ دین کے معاملہ میں اللہ رب العالمین نے انسان کو دنیا میں اختیار دیا ہے کہ وہ جس راستے کی پیروی کرنا چاہے آزاد ہے۔ اس پر کسی طرح کی کوئی زبردستی نہیں۔ اللہ کی دی ہوئی اس آزادی کو چھیننے کا حق کسی مسلمان کو بھی نہیں۔ دعوت میں داعی کا اچھے اخلاق اور انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسرے مذاہب اور ان کے ماننے والوں کی توہین

اوراستہزاء سے پرہیز کرنا چاہیے۔اسلام میں ظلم حرام ہے۔حتی کہ کافر بھی اگر مظلوم ہوتا تو اللہ اس کی بددعا بھی رد نہیں کرتا۔

دوسری نشست میں دوسرا خطاب شیخ محمد مقیم فیضی صاحب حفظہ اللہ کا ہوا۔شیخ نے قرآن وسنّت اور مختلف واقعات کی روشنی میں موجودہ حالات میں ایمان اور استقامت کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔شیخ نے قرآن کی آیات کی روشنی میں یہ بات ثابت کی کہ مسلمانوں کا عروج اور غلبہ ایمان ہی کے ساتھ مشروط ہے۔صحابہ کرام کے ایمان کا اعلیٰ درجہ اور اللہ رب العالمین پر توکل تھا جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو بہت مختصر وقت میں زمین کی بڑی بڑی طاقتوں پر فتح عطا فرمائی۔اللہ کے وعدہ پر ان کا بھروسہ اتنا مضبوط تھا کہ اس کے سامنے وہ دنیا کی ہر طاقت کے سامنے بےخوف ہوگئے تھے۔ اس وقت عالمی سطح پر ہماری پسپائی اور زوال درحقیقت ہماری ایمانی کمزوری اور اللہ کے دین سے دوری کا نتیجہ ہے۔غزوہ احد کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ رسول کی نافرمانی ہمیشہ شکست کا سبب بنتی ہے۔شیخ نے اپنے خطاب میں مختلف دینی اور فکری انحرافات کی نشاندہی کی۔شیخ نے فرمایا کہ صرف چارسو سال پہلے مسلمان دنیا کے بیشتر حصوں پر قابض تھے۔اب یہ زمینیں مسلمانوں کے اقتدار سے نکل چکی ہیں۔ یہ اللہ کی سنت ہے کہ اللہ ان ایام کو لوگوں میں باری باری بدلتے رہتا ہے اور جب ایمان والے اپنی اہلیت گنوا بیٹھتے ہیں تو حکومتیں دوسروں کو دے دی جاتی ہیں،عقائد فاسدہ اور اعمال بد کا نتیجہ عقاب کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

اجلاس کے آخر میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے امیر شیخ عبدالسلام صاحب سلفی نے صدارتی خطاب فرمایا: شیخ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ حج اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔جس کی اہمیت ویسی ہی ہے جیسے گھر کے لیے ستونوں کی۔ جیسے گھر کی حفاظت کے لیے اس کے ستونوں کی حفاظت ضروری ہے ویسے ہی اپنے دین کی حفاظت کیلیے اس کے ارکان کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے۔استطاعت رکھنے والے حضرات کو حج کی ترغیب دیتے ہوئے حضرت عمر کا یہ قول بیان کیا کہ جو لوگ حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے ان پر جزیہ کیوں نہ لگا دیا جائے۔

شیخ کی دعاؤں اور شکریہ کے کلمات کے ساتھ اجلاس کا اختتام ہوا۔ نظامت کے فرائض جامعۃ الرشاد کے امام شیخ عبدالرحمٰن سلفی نے بحسن وخوبی انجام دیے۔

سیمینار

حیات وخدمات

علامہ محمد داؤد راز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مسجد بائیکلہ اہل حدیث جماعت مومن پورہ،ممبئی-۱۱ کے ٹرسٹیان کی طرف سے انتہائی مسرت کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ دسمبر ۲۰۱۷ء میں علامہ داؤد راز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر سیمینار کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ علامہ موصوف جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ،ممبئی میں اپنی گراں قدر خدمات پیش کر چکے ہیں۔

مقالہ نگار حضرات سے گذارش ہے کہ علامہ محمد داؤد راز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو معلومات فراہم ہوسکیں وہ اپنے مقالہ کی شکل میں اکتوبر کے اخیر تک مسجد کے پتہ پر ارسال کریں تا کہ مولانا راز صاحب کی شخصیت کو نمایاں طور پر مفسر،محدث،شارح ومؤلف، داعی وخطیب، اور شاعر وادیب کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کیا جاسکے۔

❖ ❖ ❖

آئینۂ جمعیت وجماعت

سیلاب

دفتر صوبائی جمعیت

سیلاب متاثرین کے لئے صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی امدادی سرگرمیاں

گذشتہ مہینے ملک کے مختلف حصوں میں سیلاب قہر بن کر ٹوٹا۔ خاص کر یوپی اور بہار کے علاقوں میں سیلاب نے بڑے پیمانے پر تباہی پھیلا دی۔ بہار کے علاقے ویسے تو ہر سال کسی نہ کسی حد تک سیلاب کے زد میں رہتے ہیں لیکن اس سال سیلاب نے گذشتہ سارے ریکارڈ توڑ دیے۔ بوڑھے بزرگ جو ایک زمانہ سے سیلاب کی تباہیاں دیکھتے آرہے ہیں خود انہوں نے بیان دیا کہ ایسی تباہی اس سے پہلے انہوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

لاکھوں کی تعداد میں لوگ بے گھر ہوئے۔ سیکڑوں لقمہ اجل بن گئے۔ مکانات خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے۔ گھر کھنڈرات میں تبدیل ہوگئے۔ آمدورفت کے ذرائع ٹوٹ گئے۔ ضروریات زندگی کی شدید قلت ہوگئی۔ کپڑے، ادویہ اور خورد ونوش کی اشیاء سمیت زندگی کی دوسری ضرورتوں سے محروم ہوگئے۔

سیلاب چلا گیا۔ لیکن اپنے پیچھے اجڑے ہوئے گھر، تباہ ہوچکی کھیتیاں، ڈھہ چکے مکانات، اجڑ چکی دوکانیں، ڈوب چکا کاروبار اور مارے گئے لوگ چھوڑ گیا۔ جان ومال کی اس تباہی کا اندازہ لگانا بھی ممکن نہیں۔ انسان اپنی پوری زندگی ایک گھر بنانے میں لگا دیتا ہے۔ تنکا تنکا جوڑ کر آشیانہ بناتا ہے۔ پائی پائی جوڑ کر گھر کی ضرورتوں کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اس سیلاب نے ایسے کتنے آشیانے اجاڑ دیے ہیں۔ کتنوں کی زندگی بھر کی کمائی اس سیلاب میں بہہ گئی ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی نے اپنے بھائیوں کے درد کو سمجھا اور ان کی مدد کے لیے آگے آنے کو اپنا دینی فریضہ جانا۔ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی جانب سے سیلاب متاثرین کی امداد کے لیے تحریک شروع کی گئی۔ ضلعی اور مقامی جمعیتوں کے لیے ہدایات جاری کی گئیں کہ وہ اپنے اپنے علاقہ سے متاثرین کے لیے امداد جمع کریں۔ مساجد کے ذمہ داران سے رابطہ کیا گیا کہ جمعہ کے بعد سیلاب متاثرین کے لیے چندہ کیا جائے۔ سوشل میڈیا اور اخبارات میں تعاون کی اپیل نشر کی گئی۔ الحمد للہ عوام نے جمعیت کی دعوت پر لبیک کہا اور دل کھول کر اپنے متاثر بھائیوں کے لیے امداد کی۔ اللہ کے فضل واحسان سے امداد کی پہلی ۔۔۔۔ تاریخ کو قسط پانچ لاکھ روپیوں کی صورت میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے حوالے کی گئی۔

صوبائی جمعیت کے ذمہ داران سیلاب سے متاثر علاقوں کے ذمہ داران سے مستقل رابطہ میں ہیں۔ صورت حال پر جمعیت کی پوری نظر ہے۔ ان شاء اللہ صوبائی جمعیت کا وفد جلد ہی متاثرہ علاقوں کا دورہ کرنے والا ہے۔

آسمانی آفات کو روکنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ لیکن اس سے متاثر ہونے والے افراد کی مدد میں اپنی استطاعت کے مطابق اقدام ہمارا دینی فریضہ ہے۔ اللہ اس وقت تک بندے کی مدد کرتا ہے جب تک بندے بندے کی مدد کرتے ہیں۔ سیلاب کی یہ صورت حال ہمارے ان بھائیوں کے صبر کا امتحان تو ہے ہی جن کو اس سیلاب میں جانی اور مالی نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔ یہ سیلاب ہمارے ایمان اور اپنے مومن بھائیوں سے محبت کا بھی امتحان ہے کہ مصیبت کی اس گھڑی میں ہم اہل ایمان کے ساتھ اپنی اخوت کا فرض کس حد تک نبھاتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو اس آزمائش میں کامیاب کرے۔

❖ ❖ ❖

Special Issue "AL-JAMAAH" Mumbai
September-October 2017

بتاریخ:
۲۲/اکتوبر ۲۰۱۷ء
مطابق ۱/صفر ۱۴۳۹ھ
بروز اتوار، صبح ۹/بجے تا صلاۃ عشاء

بمقام:
مسجد اہل حدیث کپاڈیہ نگر،
کرلا (ویسٹ)

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے زیر اہتمام

دورۂ تدریبیہ

برائے

ائمہ ودعاۃ ومدرسین

جس میں ان شاء اللہ ماہرین فن بزرگان ملّت، کہنہ مشق اساتذہ کرام اور معروف اہل علم اپنے علمی، دعوتی، تدریسی اور دیگر تجربات اور مہارتوں سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کریں گے اس لیے تمام ائمہ ودعاۃ اور مدرسین کے لیے استفادے کا اچھا موقع ہے۔ اس لیے جو علماء اور دعاۃ اس دورہ تدریبیہ میں شرکت کی خواہش رکھتے ہوں وہ :

- اپنا نام اور موبائل نمبر اپنی مسجد یا ادارے کے نام کے ساتھ درج کرا کے جمعیت سے اپنا رجسٹریشن نمبر حاصل کرلیں۔
- اپنا رجسٹریشن نمبر اپنے پاس محفوظ رکھیں کیونکہ تدریبیہ کے دن ساری کاروائیاں اسی رجسٹریشن نمبر کی بنیاد پر ہوں گی۔
- نام کا اندراج صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی آفس میں مولانا ایوب اثری حفظہ اللہ کے پاس کرایا جا سکتا ہے۔ بعد نماز ظہر تا مغرب۔
- جو حضرات آفس میں آنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں وہ واٹس اپ کے ذریعہ بھی اپنے ناموں کا اندراج کرا سکتے ہیں۔ واٹس اپ پر رجسٹریشن کے لیے اپنا نام، ادارے کا نام اور رابطہ نمبر اس نمبر پر بھیج کر اپنا رجسٹریشن نمبر حاصل کرلیں۔7666333033
- رجسٹریشن کرانے والوں کے لیے لازمی ہوگا کہ وہ دورہ تدریبیہ کے دن اپنی مسجد یا ادارے کے لیٹر ہیڈ پر ذمہ داران کے دستخط کے ساتھ تصدیق نامہ لے کر آئیں۔ بصورت دیگر رجسٹریشن منسوخ کر دیا جائے گا۔ رجسٹریشن کی آخری تاریخ ۱۵/اکتوبر ۲۰۱۷ء ہے۔
- دورہ تدریبیہ میں ایک ادارے سے زیادہ سے زیادہ دو ہی افراد کے ناموں کا اندراج کیا جائے گا۔

مزید معلومات کے لیے رابطہ کریں: شیخ محمد ایوب اثری:8828441468، شیخ سرفراز فیضی8080187588، آفس02226520077

تفصیلی اشتہار عنقریب جاری کیا جائے گا ان شاء اللہ۔

شعبہ دعوت وتبلیغ

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

Published by :

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.
Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com
@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com